اجراء حسبِ ارشاد: شیخ الحدیث حضرت مولانا مشرف علی تھانوی قدس سرہ

مواعظ حکیم الامت اور دینی رسائل کی اشاعت کا امین

ماہنامہ الامداد لاہور پاکستان

مدیر مسئول
(مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی

مدیر
ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی

جلد ۲۵ | صفر المظفر ۱۴۴۶ھ | اگست ۲۰۲۴ء | شمارہ ۸

الکاف

گناہوں سے بچنے کا طریقہ (قسط دوم)

از افادات

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

عنوانات و حواشی: ڈاکٹر مولانا خلیل احمد تھانوی

قیمت فی پرچہ =/۵۰ روپے　　زر سالانہ =/۶۰۰ روپے

ناشر: (مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی
مطبع: ہاشم اینڈ حماد پریس
۲۰/۱۳ ریٹی گن روڈ بلال گنج لاہور
مقام اشاعت
جامعہ دار العلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ لاہور پاکستان

ماہنامہ الامداد لاہور
35422213
35433049

پتہ دفتر
جامعہ دار العلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ
۲۹۱۔ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

وعظ

الکاف

(گناہوں سے بچنے کا طریقہ) قسط دوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم اما بعد!

حکیم الامت مجدد ملت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ۱۷ ربیع الاول سنہ ۱۳۳۶ھ بروز بدھ کو بمقام کالپی ضلع جالون میں یہ وعظ دو گھنٹے دو منٹ تک چوکی پر کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا۔ سامعین کی تعداد مستورات کے علاوہ تقریباً دو سو تھی۔ حکیم مصطفیٰ صاحب بجنوری نے قلم بند فرمایا۔

یہ صیغہ اسم فاعل کا ہے کف بمعنی روکنے کے چونکہ یہ وعظ معاصی سے روکنے والا ہے اس طرح کہ اس میں معاصی سے رکنے کا طریقہ بیان کیا گیا ہے اس لیے اس کا نام الکاف رکھا ہے۔ ۱۲ ظفر۔ اس وعظ میں گناہوں سے بچنے کا طریقہ اس طرح ذکر کیا گیا ہے کہ گناہ نفس کے تقاضے سے ہوتا ہے اس تقاضے کو روکنے والی چیز خدا کی یاد، جنت، دوزخ کی یاد، اللہ کی نعمتوں کی یاد جب اس میں مشغول ہوگا تو گناہ سے بچ جائے گا یہ ہے طریقہ گناہوں سے بچنے کا۔ اللہ پاک تمام قارئین کو مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

نوٹ: اس وعظ کی پہلی قسط کا آخری عنوان (طاعون سے بچاؤ کا صحیح طریقہ) تھا اور اس دوسری اور آخری قسط کا پہلا عنوان (حقیقت مصیبت) ہے۔

خلیل احمد تھانوی

۱۲ رمضان ۱۴۴۵ھ

۲۳ مارچ ۲۰۲۴ء

فہرست

صفحہ	عنوانات	نمبر شمار
۷	حقیقت مصیبت	1
۸	اعتبار نسبت	2
۱۰	مصیبت بر معصوم	3
۱۰	روح طبی اور روح الٰہی میں فرق	4
۱۲	فراق کی مصیبت	5
۱۲	قرب محبوب	6
۱۴	سلطنت قلب	7
۱۵	معصیت ماضیہ اور عقل	8
۱۶	عقل کی بے رحمی	9
۱۷	شریعت کی خیر خواہی	10
۱۸	مراحم خسروانہ	11
۱۹	توبہ طاعات	12
۲۰	سلطنت نفس	13
۲۱	وزارت شیطان	14
۲۳	شیطان کا کام	15
۲۳	نگاہ کا تیر	16
۲۴	عبرتناک واقعہ	17
۲۵	نظر کی پاکیزگی	18
۲۵	پردہ کی ضرورت	19
۲۶	بے پردگی کے مفاسد	20
۲۷	ضبط نفس	21
۲۷	علاج معصیت	22
۲۹	اصلاح نفس	23
۲۹	اتباع مرشد	24

㉕..........	حقیقت شناسی..........................	۳۰
㉖..........	انسداد سبب..........................	۳۰
㉗..........	تفسیر ذکر..........................	۳۱
㉘..........	یاد خدا کی حقیقت..........................	۳۲
㉙..........	اختلاف احوال..........................	۳۴
㉚..........	وجود باری کی دلیل..........................	۳۵
㉛..........	خدا کی شان میں گستاخی کی سزا..........................	۳۶
㉜..........	گناہ کا ارتکاب بے حیائی ہے..........................	۳۶
㉝..........	تَذَکُّر کے معنی..........................	۳۷
㉞..........	تحقیق ناتمام..........................	۳۹
㉟..........	نفس کی شائستگی..........................	۴۰
㊱..........	مجاہدہ کا فائدہ..........................	۴۱
㊲..........	متقی کا گناہ..........................	۴۲
㊳..........	متقین پر شیطان کا اثر..........................	۴۳
㊴..........	غصہ ہونے کے فوائد اور مواقع..........................	۴۴
㊵..........	تدبیر اصلاح..........................	۴۴
㊶..........	غلبہ تقویٰ..........................	۴۵
㊷..........	بزرگوں کا حال..........................	۴۶
㊸..........	حکمائے اسلام..........................	۴۷
㊹..........	شیطانی دھوکہ..........................	۴۸
㊺..........	صحبت صالح..........................	۵۰
㊻..........	دوستی کا معیار..........................	۵۱
㊼..........	مصلحت سوزی..........................	۵۲
㊽..........	خلاصہ بیان..........................	۵۴
㊾..........	خلاصہ وعظ بالفاظ حضرت مولانا مدظلہم العالی..........................	۵۴
㊿..........	اخبار الجامعہ..........................	۵۶

ماہ جولائی 2024ء کے وعظ کا آخری عنوان (طاعون سے بچاؤ کا صحیح طریقہ) تھا۔

حقیقت مصیبت

اب دوسرا سوال باقی رہا کہ اگر معاصی سبب ہیں طاعون کے تو نیک آدمی طاعون میں کیوں مرتے ہیں؟ اسکے جواب کے لیے ایک مقدمہ کی ضرورت ہے جو ذرا دقیق ہے وہ یہ کہ جس چیز کو مصیبت کہتے ہیں آیا وہ اپنی صورت سے مصیبت ہے یا حقیقت سے ہے۔ میں اس بات کو نظائر سے صاف کروں گا۔ سو دعویٰ سے کہا جاتا ہے کہ مصیبت جبھی مصیبت ہے جبکہ اس میں حقیقت مصیبت کی موجود ہو۔ صرف صورتِ مصیبت کے وجود سے اس کو مصیبت نہیں کہا جاسکتا ہے۔ میں اس کی مثال پیش کرتا ہوں وہ یہ کہ کسی کو بغل میں زور سے دبایا تو ظاہر ہے کہ یہ فعل تکلیف دہ ہے مگر سوال کیا جاتا ہے کہ کیا اس کو ہر جگہ جہاں اس کی صورت کا وجود ہو مصیبت ہی کہیں گے یا اگر کہیں ایسا ہو کہ صورت تو یہی ہے مگر حقیقت اس کی یعنی اذیت قلب ① نہ ہو تو وہاں اس کا نام اور کہیں گے۔ مثلاً فرض کیجئے کہ ایک محبوب ہو اور ایسے نازنخرے والا ہو کہ کسی کو منہ نہیں لگاتا اور ایک شخص مدت سے اس کی ملاقات کی فکر میں ہو مگر کبھی رسائی نہیں ہوتی اور دفعتاً ایک دن وہ محبوب پیچھے سے آکر اس کو بغل میں دبالے اور ایسا دبائے کہ ہڈی پسلی ٹوٹی جاتی ہوں تو اس وقت صورت تو وہی موجود ہے جس کا نام مصیبت تھا مگر میں پوچھتا ہوں کہ کیا آپ اس کا نام مصیبت رکھیں گے؟ اگر نہیں رکھیں گے تو کیوں؟ اور میں کہتا ہوں کہ آپ تو صرف دور سے دیکھنے والے ہیں اگر خود اس شخص سے جس پر یہ تکلیف گزر رہی ہے اور دبانے کا الم پا رہا ہے پوچھا جاوے کہ یہ مصیبت ہے یا راحت؟ تو وہ کیا کہے گا! مثلاً محبوب اس سے کہے کہ اگر تکلیف ہوتی ہو تو چھوڑ دوں تو اس وقت کیا کہے گا اس کی تو یہ حالت ہوگی قالاً اور حالاً ② یہ کہتا ہوگا۔

سر بوقت ذبح اپنا اس کے زیر پائے ہے　　　کیا نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

اور

نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے　　　یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

یہ بات بلا مبالغہ ہے کہ دم نکلنا بھی گوارا ہوگا اور چھوڑنا گوارا نہ ہوگا اور یہی

---

① دلی تکلیف ② زبان حال وقال سے کہے۔

کہے گا کہ میرے کہاں نصیب جو یہ موقع ملا اور خصوصاً جبکہ ایسا دبایا ہو کہ موت کا اندیشہ بھی نہ ہو تو اس کو مصیبت کسی طرح بھی نہ کہے گا۔ بتلایئے کہ جب صورت اس کی بعینہٖ وہی ہے جس کا نام دوسری جگہ مصیبت تھا پھر یہاں اس صورت خاص میں اس کو مصیبت کیوں نہیں کہتے، ایک ہی فعل ہے مگر ایک وقت میں تو اس کا نام مصیبت ہے اور ایک وقت میں راحت اس کی وجہ سوائے اسکے کیا ہے کہ صورتِ مصیبت کو مصیبت نہیں کہتے بلکہ معنی مصیبت کو مصیبت کہتے ہیں۔ ایک وقت میں وہ معنی موجود ہیں اور ایک وقت میں نہیں حتیٰ کہ اس صورت میں اگر محبوب کہے کہ اگر تجھے تکلیف ہوتی ہو تو میں تجھے چھوڑ کر رقیب کو بغل میں دبالوں، سو اگر یہ مصیبت ہے تو کیوں اپنے اوپر سے اس کا ٹلنا اور اپنے دشمن پر اس کا مسلط ہو جانا گوارا نہیں کرتا، اس صورت میں تو وہ یہی کہے گا:

نہ شود نصیب دشمن کہ شود ہلاکِ تیغت　　　سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی ①

بحمد اللہ اس تقریر سے میرا دعویٰ مبرہن ② ہو گیا کہ صورت مصیبت پر مصیبت کا حکم کر دینا صحیح نہیں بلکہ معنی کا اعتبار ہے۔

اعتبارِ نسبت

وہ معنی کیا ہیں وہ ایک ننھی سی چیز ہے جو نظر بھی نہیں آتی جیسے گھڑی میں بال کمانی کی ذرا سی نا معلوم سی چیز ہے مگر گھڑی کی چال کا مدار اسی پر ہے۔ اگر وہ نہ ہو تو گھڑی بیکار رہے یا وہ خراب ہو تو چال صحیح نہیں ہو سکتی وہ ننھی سی چیز نسبت ہے۔ ایک ہی فعل کی نسبت ایک کی طرف ہو تو مصیبت بن جاوے اور اسی فعل کی نسبت دوسرے کی طرف ہو تو راحت بن جاوے، دبانے کی نسبت صدیق یعنی دوست کی طرف ہوئی تو عینِ راحت ہے اور عدو یعنی مخالف کی طرف ہوئی تو مصیبت ہے اس نسبت سے کھانا بھی زہر بن جاتا ہے اور اسی نسبت سے زہر شکر ہو جاتا ہے۔ اب یہ شبہ حل ہو گیا کہ طاعون میں اولیاء اور نیک لوگ بھی مرتے ہیں تو کیا حق تعالیٰ اپنے دوستوں کو عذاب دیتے ہیں۔ حاصل اس حل کا یہی ہے کہ طاعون اپنی ذات میں مصیبت نہیں اس کے اندر ایک اور چیز

---

① ''دشمن کا یہ نصیب نہ ہو کہ تیری تلوار سے ہلاک ہو، دوستوں کا سر تیری خنجر آزمائی کے لیے سلامت'' ② دعویٰ دلیل سے ثابت ہو گیا۔

ہے جس سے وہ مصیبت بن جاتا ہے اور وہ چیز وہی نسبت ہے۔ جب طاعون مطیع① پر آتا ہے تو اس نسبت سے آتا ہے جس سے وہ دبانا راحت ہوا تھا یعنی دوستی اور محبت ورحمت کے ساتھ آتا ہے اس لیے راحت ہوتا ہے اور جب غیر مطیع پر آتا ہے تو اس نسبت سے آتا ہے جس سے وہ دبانا باعث اذیت② ہوا تھا یعنی دشمنی اور قہر کے ساتھ آتا ہے اس لیے مصیبت ہوتا ہے۔ مطیع پر حق تعالیٰ کی نظر رحمت ہوتی ہے لہٰذا ہر بات اس کے لیے باعثِ راحت ہوتی ہے۔ اس واسطے دعویٰ سے کہا جاتا ہے کہ مصیبت اہل اللہ پر آتی ہی نہیں۔ کیا منہ ہے مصیبت کا جو ان کے پاس بھی آسکے اور جس کو آپ مصیبت سمجھتے ہیں یہ آپ کی غلطی ہے وہ مصیبت نہیں ہاں صورتِ مصیبت ہے۔ میں ایک اور مثال مشاہدات سے دیتا ہوں جس کے بعد اس کے سمجھنے میں ذرا بھی دقت نہ رہے گی۔ مصیبت کی مثال لوہ③ کی سی ہے کہ کیسی ناگوار اور تکلیف دینے والی چیز ہے لیکن یہ ضروری بات نہیں کہ وہ سب کو تکلیف ہی دے کسی کے لیے لوہ تکلیف دینے والی ہے اور کسی کے لیے آرام دینے والی۔ وہ کون شخص ہے جس کو لوہ آرام دیتی ہے وہ وہ ہے جو خس خانہ④ میں بیٹھا ہے کہ لوہ جتنی سخت اور تیز ہوگی اتنا ہی اس کو آرام پہنچے گا۔ ایک کوتاہ نظر جس نے خس کی ٹٹی⑤ کو نہیں دیکھا، لوہ چلتی دیکھ کر کہہ سکتے ہیں کہ یہ شخص بیچ میدان میں ہے لوہ اس کو چاروں طرف سے بھون⑥ دے گی اور رحم کرے گا کہ بیچارہ کس مصیبت میں ہے اور یہ خبر نہیں کہ وہ کس قدر آرام میں بیٹھا ہے، لوہ اس کو ذرا ناگوار نہیں بلکہ باعث راحت ہے حتیٰ کہ خواہش کر رہا ہے کہ لوہ خوب چلے کیونکہ خس کی ٹٹی کا لطف⑦ لوہ ہی میں آتا ہے۔ جتنی لوہ زیادہ چلتی ہے اتنا ہی خس خانہ برف خانہ ہوتا ہے۔ یہی حالت اہل اللہ کی ہے کہ اہل دنیا مصائب کی لوہ دیکھ کر ان پر رحم کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ لوگ مصائب کا شکار ہیں اور یہ خبر نہیں کہ وہ ان ہی پر رحم کھاتے ہیں اور اس قدر مزہ میں بیٹھے ہیں کہ تمنا کرتے ہیں کہ لوہ اور چلے تا کہ خس خانہ رضا کا لطف آوے⑧ ان کے پاس ایسی چیز ہے کہ اس سے مصیبت مصیبت نہیں رہتی جس کی مثال بالکل خس کی ٹٹی کی سی ہے، واقعات آتے ہیں مگر چھنکر اور گرمی

---

①فرمانبردار پر آتا ہے ②تکلیف کا باعث ③ گرم ہوا ④جو ایسے کمرے میں بیٹھا ہے جہاں چاروں طرف خس لگا ہوا ہے باہر جتنی گرم ہوا چلے اندر اتنی ہی ٹھنڈ ہوتی جائیگی ⑤بانس اور سرکنڈری کا بنا ہو چھر جو دروازوں پر لگاتے ہیں جن میں چمٹ کر گرم ہوا آتی ہے تو ٹھنڈی ہوجاتی ہے کیونکہ اس پر پانی ڈالا ہوا ہوتا ہے آج کل اس کی مثال ائیر کولر ہے ⑥جلا دے گی ⑦خس کی چقوں کا مزہ جب گرم ہوا چل رہی ہو تب ہی آتا ہے ⑧خس کا ایسا کمرہ جس میں رضا الٰہی کا مزہ آئے

چھوڑ کر سرد ہو کر اور اذیت سے خالی ہو کر عین راحت بن کر۔ اس مصیبت کے وقت ان کے حالات دیکھ کر صاف پتہ چل سکتا ہے کہ وہ تکلیف میں ہیں یا آرام میں بعضوں پر تو ایسا غلبہ ہوا لذت کا کہ موت کے وقت قہقہہ مارتے تھے کیا تکلیف میں کوئی قہقہہ مارا کرتا ہے؟ اور اکابر اہل اللہ کا تو کہنا ہی کیا ہے ادنیٰ مسلمان کی حالت میں بھی مصیبت کے وقت کفار کی حالت سے فرق ہوتا ہے جس کو جتنی نسبت حق تعالیٰ سے حاصل ہے اس قدر مصیبت کی تکلیف کم ہوتی ہے۔ اب شبہ جاتا رہا اور وہ دعویٰ صحیح ہوا کہ اہل اللہ پر مصیبت نہیں آتی۔

مصیبت بر معصوم ①

اب ایک شبہ یہ اور رہا کہ اگر مصیبت معصیت ہی سے آتی ہے تو بچوں کو تکلیف کیوں ہوتی ہے؟ نزع ② میں دیکھا ہوگا کہ بچوں کو بہت تکلیف ہوتی ہے حالانکہ ابھی بچوں نے کوئی گناہ نہیں کیا کیونکہ وہ ابھی مکلّف ہی نہیں ہیں اس میں بھی شبہ کی خرابی غور نہ کرنے ہی سے ہے بلکہ دنیا میں جو کچھ بھی اختلافات ہیں وہ فہم سے کام نہ لینے ہی سے ہیں۔

جنگِ ھفتاد ودو ملّت ہمہ را عذر بنہ ۔۔۔ چون ندیدند حقیقت رَہِ افسانہ زدند ③

سنئے! ہم کہتے ہیں کہ بچوں کے لیے بھی مصائب تکلیف دہ نہیں گو وہ جسم کو تکلیف ہو مگر روح کو نہیں ہوتی کیونکہ ان کی روح کو تعلق مع اللہ حاصل ہے کیونکہ تعلق مع اللہ قطع ہوتا ہے معصیت ④ سے اور ان سے معصیت ⑤ اب تک ہوئی نہیں تو تعلق باقی ہے۔

روح طبی اور روح الٰہی میں فرق

لیکن روح سے مراد روح طبی نہیں ہے بلکہ روح الٰہی مراد ہے نزع سے یا دیگر تکالیف سے روح طبی کو بیشک ضغطہ ⑥ ہوتا ہے یہ روح طبی گویا مرکب ہے روح الٰہی اور ان دونوں میں تعلق سوار اور گھوڑے کا سا ہے، گھوڑے کے اگر چابک مارا جاوے تو سوار کو کوئی نقصان یا تکلیف نہیں پہنچتی بلکہ گھوڑا تیز ہو جاتا ہے اور اس میں سوار کا نفع ہے ہاں سوار ہوشیار ہونا چاہیے تا کہ گر نہ پڑے جسم کو تکلیف پہنچنے سے روح حقیقی

---

① بچوں پر مصیبت ② روح نکلتے وقت ③ ”بہتر فرقوں کی جنگ میں تمام کو معذور سمجھو جب ان کو حقیقت کا پتہ نہ چل سکا تو انہوں نے ڈھکوسلوں کی راہ اختیار کی“ ④ گناہ کی وجہ سے اللہ سے تعلق ٹوٹتا ہے ⑤ گناہ ⑥ تکلیف ہوتی ہے

کو تکلیف نہیں پہنچتی کیونکہ وہ جسم کا جز و نہیں ہے اس کو جسم سے صرف ایک خاص تعلق ہے جیسے ہم کو گرمی کے موسم میں جاڑوں کے ان کپڑوں سے تعلق ہوتا ہے جن کو تہہ کر کے رکھ دیا گیا ہے کہ اگر کوئی ہماری رضائی ہمارے سامنے جلاوے تو ہم کو ایک قسم کی تکلیف تو پہنچتی ہے جس کو رنج کہتے ہیں اور یہ نہیں کہہ سکتے کہ جو واقعہ رضائی پر ہوا وہی ہم پر ہوا یعنی جلنا۔ اس رضائی کے جلنے سے ہمارا جسم نہیں جلا۔ اسی طرح جو تکلیف بچوں پر نظر آتی ہے وہ روح طبی اور جسم پر ہوتی ہے روح حقیقی پر نہیں ہے اور یہ بہت موٹی بات ہے۔ اہل فلسفہ کے نزدیک بھی ایک خاص عنوان سے یہ مسئلہ مسلم ہے کیونکہ مجرد ① ہے اس کو آرام و تکلیف جسم سے نہیں پہنچتی کیونکہ وہ جسم میں حول کیے ہوئے نہیں ہے ہاں اس کو تعلق ہے جسم سے۔ جیسے بادشاہ کو تعلق ہے ملک سے کہ بادشاہ بیٹھا ہے، لندن میں اور کام سب یہاں تک ہو رہے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ بادشاہ یہاں موجود ہو تب ہی حکومت کے آثار ظاہر ہوں یا جیسے آفتاب کی بنا بر مشہور ہے فلک چہارم ② پر اور روشنی و حرارت اس کی زمین تک پہنچتی ہے فلک چہارم پر میں نے بنا بر مشہور ③ کہہ دیا ورنہ اس کی کوئی دلیل نہیں۔ ظاہر نصوص سے آفتاب کا آسمان اول پر ہونا معلوم ہوتا ہے اور آج کل کے سائنس والوں نے تو اپنے زعم فاسد میں یہ قصہ ہی نہیں رکھا، آسمان ہی کا انکار کر دیا، چہارم اور اول سے بحث ہی نہ رہی۔ انہوں نے تو ایسا کیا جیسے ایک شخص کی ناک پر مکھی بھی بار بار بیٹھتی تھی انہوں نے غصہ میں آ کر ناک ہی کو کاٹ ڈالا کہ جاؤ اب کا ہے پر بیٹھے گی ہم نے اڈا ہی نہیں رکھا۔ سو یہ قول بھی غلط ہے اور میں اسوقت اس سے بحث نہیں کرتا یہ مسئلہ دوسری جگہ کا ہے اصل مدعا یہ ہے کہ باوجود دوری کے آفتاب کو زمین سے علاقہ ہے۔ شعراء کے یہاں ضرب المثل ہے۔

كالشمس في كبد السماء ونورها يغشى البلاد مشارقا و مغاربا ④

روح کو ایسا ہی علاقہ ہے جسم سے کہ گو روح جسم کے اندر نہ ہو مگر جسم پر اثر کرتی ہے اور ان دونوں مثالوں میں پوری ٹھیک دوسری مثال ہے یعنی آفتاب اور زمین والی اور بادشاہ اور ملک والی مثال پوری ٹھیک نہیں کیونکہ بادشاہ کو ملک سے علاقہ صرف

---

① جسم سے الگ ہے ② چوتھے آسمان پے ③ شہرت کی بنیاد پہ کہہ دیا ④ "سورج کی طرح جو آسمان میں ہے اور اس کے نور نے مشرق و مغرب کے سب شہروں کو منور کیا ہوا ہے"۔

حکومت کا ہے جو بواسطہ خدم حشم ① کے ہوتی ہے اور آفتاب کا اثر زمین پر بلا واسطہ ہے اور روح حقیقی کا اثر بھی جسم پر بلا واسطہ ہے اس لیے دوسری مثال زیادہ صحیح ہے۔غرض اس روح پر جسم کی تکلیف وراحت کا اثر نہیں پڑتا۔سو بچوں کو جو تکلیف محسوس ہوتی ہے وہ صرف روح طبی کے تغیرات ہیں نہ کہ اصلی اور حقیقی روح کے۔

فراق کی مصیبت

اس روح کی تکلیف وراحت کا مدار تو صرف بُعد عن اللہ اور قُرب الی اللہ ② ہے اور بُعد ہوتا ہے معصیت سے اور بچوں سے معصیت ہوتی نہیں تو ان کو بعد عن اللہ ③ نہیں لہٰذا تکلیف بھی نہیں۔ اسی بُعد کو عشاق فراق سے تعبیر کرتے ہیں اور ان کے نزدیک بس فراق ہی ایک مصیبت ہے اگر فراق نہ ہو تو پھر کوئی مصیبت مصیبت نہیں۔ عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب کہا ہے:

از فراق تلخ میگوئی سخن   ہر چہ خواہی کن و لیکن ایں مکن ④

عارف شیرازی فرماتے ہیں:

شنیدہ ام سخنی خوش کہ پیر کنعان گفت   فراق یار نہ آن می کند کہ بتون گفت
حدیث ہول قیامت کہ گفت واعظ شہر   کنائیسیت کہ از روزگار ہجران گفت ⑤

پس اصل تکلیف بعد عن المحبوب ہے ⑥ اور محبوب پاس تو پھر یہ حالت ہے

ہر کجا دلبر بود حرم نشیں   فوق گردوں ابت نے قصر زمیں
ہر کجا یوسف رخے باشد چو ماہ   جنت است آں گرچہ باشد قعرِ چاہ
با تو دوزخ جنت است اے جانفزا   بے تو جنت دوزخ است اے دلربا ⑦

قرب محبوب

غرض اصل دولت قرب محبوب ہے اگر یہ حاصل ہو تو سب کچھ حاصل ہے اس کے

---

① خادموں اور وزراء کے ذریعہ ہے ② اس روح کی تکلیف اور خوشی کا مدار اللہ سے قریب یا دور ہونے پر ہے۔ ③ اللہ سے دوری نہیں ④ ''جدائی کی تلخ بات مت کرو اور جو چاہے کرو لیکن نہ کرو'' ⑤ ''پیر کنعاں نے یہ نہایت کیا عمدہ بات کہی وہ یہ کہ فراق محبوب ایسی مصیبت ہے جس کو بیان نہیں کیا جاسکتا، واعظ شہر نے جو قیامت کی گھبراہٹ کی بات کی اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ اس نے زمانہ کے فراق کا تذکرہ کیا''
⑥ محبوب سے دوری اصل تکلیف ہے ⑦ ''جس جگہ محبوب خوش وخرم بیٹھا ہو وہ جگہ مرتبہ میں آسمان سے بلند تر ہے نہ کہ پست زمیں، جہاں محبوب ہو وہ جگہ جنت ہے اگر چہ کنواں ہی کیوں نہ ہو، اسے دلربا تیری ہمنشینی میں دوزخ جنت ہے اور تیرے بغیر جنت بھی دوزخ ہے''

ساتھ کیسے ہی واقعات پیش آویں تکلیف نہیں ہوسکتی، اہل اللہ کو موت کا بلاوا بھی آجاوے تو پرواہ نہیں بلکہ وہ تو موت کو ڈھونڈتے اور بلاتے پھرتے ہیں۔ عارف شیرازیؒ فرماتے ہیں:

خرّم آن روز کز ایں منزل ویران بروم ۔۔۔ راحت جان طلبم وازطوئ پی جانان بروم ①

موت جس سے لوگ بھاگتے پھرتے ہیں ان کے یہاں اس کی خوشیاں منائی جاتی ہیں اور نذریں مانی جاتی ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

نذر کردم گر از این غم بہ در آیم روزی ۔۔۔ تا درِ میکدہ شادان وغزال خوان بروم ②

جن پر موت کا یہ اثر ہو ان پر دیگر معمولی واقعات کا کیا اثر ہوسکتا ہے۔ اب سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ اہل اللہ پر مصیبت نہ آنے کے معنی یہ نہیں کہ ان کو واقعات پیش نہیں آتے۔

ذکر کی عجیب خاصیت

واقعات سب پیش آتے ہیں جیل خانہ، موت، بیماری، فاقے بلکہ بعض اوقات یہ ان کو اوروں سے زیادہ پیش آتے ہیں مگر یہ سب چیزیں باہر ہی باہر رہتی ہیں اور اندرونی حالت ان کی یہ ہوتی ہے جس کو ایک شاعر نے دکھایا ہے۔

عذل العواذل حول قلب التائه ۔۔۔ وھوی الاحبته منه في سودائه ③

یہ شعر صرف ملامت کے بارے میں ہے۔ گو ملامت بھی ایک مصیبت ہے مگر اہل اللہ کے لیے تو ہر مصیبت کی حالت یہی ہے کہ باہر ہی باہر رہتی ہے قلب کو اس کی ہوا بھی نہیں لگتی ان کے قلب کی مثال ایسی ہے جیسے ایک صاف بوتل کے اندر کوئی میٹھی چیز رکھی ہوئی ہے اگر اس پر مکھی بھی آجاوے تو چاروں طرف گھومتی پھرتی ہے مگر مجال نہیں کہ اندر چلی جاوے ناواقف آدمی اور دور سے دیکھنے والا جو بوتل کی اس خاصیت کو نہ جانتا ہو کہ یہ جرم شفاف ④ ہے جس میں نظر بھی پار ہوسکتی ہے کوئی اور چیز نہیں جاسکتی وہ دیکھ کر کہ سکتا ہے کہ اس چیز پر مکھیاں بھنک رہی ہیں اور ضرور اس کو خراب کرتی ہوں گی مگر جو بوتل کی خاصیت سے واقف ہے وہ جانتا ہے کہ مکھی بوتل کے اندر نہیں ہے، اہل دنیا ذکر اللہ کی خاصیت کو جانتے ہیں اس

---

① ''وہ دن بہت اچھا ہوگا کہ اس ویرانہ مکان (دنیا) سے جاؤں، جان کو آرام مل جائے اور محبوب کے دیدار کے لیے چلا جاؤں'' ② ''میں نے یہ نذر کی ہے کہ اگر یہ دن نصیب ہوجائے تو خوش وخرم اور غزل پڑھتا ہوا جاؤں'' ③ ''ملامت گروں کی ملامت قلب کے اردگرد ہے اور محبوب کی محبت قلب میں جاگزیں ہے'' ④ صاف شفاف شیشہ

واسطے اہل اللہ پر واقعات کا ہجوم دیکھ کر اعتراض کرتے ہیں یا افسوس اور رحم کرتے ہیں کہ بیچارے سخت تکلیف میں ہیں اور یہ خبر نہیں کہ یہ سب مکھیاں باہر ہی باہر ہیں، اندر مجال نہیں کہ چلی جاویں۔

سلطنت قلب

اندر ایک ایسی ذات کی سلطنت ہے جس کے سامنے فرشتہ اور جن بھی دم نہیں مار سکتا اور جس کے سامنے تمام عالم سر بسجود ہے ① وہ حق تعالیٰ ہے ان کے ہوتے ہوئے وہاں دوسرے کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ دوسری چیز آ ہی نہیں سکتی اور ان کی وسعت کی یہ حالت ہے کہ تمام دنیا بھی اس کے سامنے کوئی چیز نہیں۔

که گر آفتاب است یک ذره نیست   وگر هفت دریاست یک قطره نیست ②

چو سلطان عزت علم برکشد   جهان سر به جیب عدم در کشد ③

انہوں نے عالم سے اپنے کو مستور کر دیا ہے ④ اگر موقعہ تجلی سے پردہ اٹھا دیتے تو سارا جہاں مٹ جاتا۔ حدیث میں ہے:"حجابه النور لو كشف الحجاب لا حرقت سبحات وجهه ما انتهى اليه بصره ⑤ اور یہ حجاب اجسام پر ہے مگر قلب میں ایک خاص تجلی ہے۔ گو آخرت جیسی نہ سہی سو جہاں انوار الٰہی موجود ہیں وہاں ظلمات اور تکدر کا کیا کام اور جب منبع سکون ⑥ اور اطمینان وہاں موجود ہے تو پریشانی کا کیا ذکر۔ واقعات و مصائب موجود ہیں مگر اثر نہیں کرتے۔ دیکھنے والا جو ناواقف ہو وہ جو چاہے سمجھ لے اس کا کون ذمہ دار ہے غرض مطیعین کے لیے مصیبت واقع میں مصیبت نہیں۔ تو یہ شبہ رفع ہو گیا کہ نیک لوگوں پر طاعون یا اور مصائب کیوں آتے ہیں اور اس کا جواب پہلے ہی ہو چکا کہ اسباب طبعیہ کو مصائب میں کہاں تک دخل ہے میں نے ثابت کر دیا ہے کہ اسباب طبعیہ کو

---

① سارا جہاں سجدہ ریز ہے ② "اگر تمام مخلوق مثل آفتاب کے ہے خدا تعالیٰ کے سامنے ایک ذرہ کے بھی برابر نہیں۔ اس طرح سات دریا حق سبحانہ وتعالیٰ کے یہاں ایک ذرہ کے بھی برابر نہیں" ③ "جب محبوب حقیقی کی تجلی قلب پر وارد ہوتی ہے تو سب چیزیں فنا ہو جاتی ہیں" ④ دنیا کی نظروں سے خود کو چھپا لیا ہے ⑤ "اس کا حجاب نور ہے اگر حجاب اٹھا لیا جائے تو جملہ اطراف جہاں تک نظر پہنچتی ہے سب کو جلا دے" اتحاف السادة المتقين ۲:۲۷۰ فتح الباری ۱۳: ۳۷۴، المغنی عن حمل الاسفار ۱:۱۰۱ ④ سکون واطمینان کا سرچشمہ

مصائب کے آنے میں دخل صرف اتنا ہے جتنا رسی کو پھانسی میں کہ اصل سبب پھانسی کا ڈکیتی ہے مثلاً اور رسی صرف ایک ذریعہ ہے سزا کا۔ اسی طرح اصلی سبب مصائب کا خدا تعالیٰ کی معاصی اور حق تعالیٰ کی ناراضی ہے اور ان معاصی کے لازمی اور متعدی مفاسد بھی سب بیاں ہو چکے۔ غرض سب شبہات حل ہو کر اچھی طرح سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ تمام مفاسد کی جڑ معصیت ہے خواہ وہ مفاسد دنیوی ہوں یا دینی۔ جب معصیت تمام مفاسد کی جڑ ہے تو اس کا مقابل اطاعت ہمیشہ سبب ہوگی ہر قسم کی راحت کی۔ جب وہ شبہات جو حائل تھے معاصی کے موجب فساد ہونے میں رفع ہو گئے تو وہ دعویٰ ثابت ہو گیا کہ فقط معصیت ہی مرض ہے اور ظاہر ہے کہ یہ مرض مسلمانوں میں بھی موجود ہے اسی کی وجہ سے خود بھی پریشان ہوتے ہیں اور دوسرے بھی پریشان ہوتے ہیں۔ تو بتلایئے! اس کے دفعیہ اور علاج و تدبیر کی ضرورت ہے یا نہیں؟ ضرور ہے اور ظاہر ہے کہ جب اصل مرض معصیت ٹھہرا تو علاج تمام مفاسد کا ازالہ معصیت ① ہی ہوسکتا ہے کما ھو الظاھر ②۔

معصیت ماضیہ اور عقل

اب ایک اور بات سمجھئے! کہ معصیت دو قسم کی ہیں ایک وہ جن کو تعلق زمانہ ماضی سے ہے یعنی وہ گناہ جو کیے جا چکے اور ایک وہ جن کو تعلق زمانہ مستقبل سے ہے آئندہ کیے جاسکتے ہیں اور گو ایک زمانہ حال بھی ہے اس کے لحاظ سے ایک تیسری قسم اور بھی ہونی چاہیے لیکن زمانہ حال خود منقسم الی الجزء میں ہے ایک جزو اس کا ماضی ہے اور ایک مستقبل اور دونوں جزوں کے بیچ میں کوئی جزو ایسا نہیں جس میں کوئی عمل کیا جاسکے وہ صرف ایک آن ہے جو محل عمل نہیں ہوسکتی لہٰذا تیسری قسم نکالنا فضول ہے۔ غرض ایک قسم تو وہ ہے معصیت کی جس کو تعلق ہو زمانہ ماضی سے اس کا مقتضا یہ ہے کہ وہ اب آپ کے اختیار میں نہ رہے اور جو اثر اس پر مرتب ہونے والا ہو وہ ضرور مرتب ہو۔ مثلاً ایک شخص ڈکیتی کر چکا تو اب کچھ نہیں ہو سکتا سوائے اس کے کہ سزا ہو۔ گویا اس معصیت کی جس کو زمانہ ماضی سے تعلق ہو عقلاً یہ خاصیت ہے کہ اس پر سزا ضرور ہونا چاہیے اور اگر یہ قاعدہ نہ مانا جاوے تو کسی جرم پر سزا نہ ہونا چاہیے اور تعزیرات بیکار رہی ہوں بس مجرم یہ کہ کر چھوٹ جاوے کہ زمانہ تو گزر گیا اور فعل

---

① تمام مصائب کا علاج گناہوں سے بچ کر ہی ہوسکتا ہے ② جیسا کہ ظاہر ہے۔

زمانہ کے ساتھ ساتھ تھا وہ بھی گزر گیا تو تم ایک معدوم فعل پر مجھے سزا کیوں دیتے ہو؟ اس وقت مجھ میں جرم کا وجود کہاں ہے اگر کوئی مجرم یہ کہے تو اس کا جواب یہی دیا جاتا ہے کہ تو نے جرم کو ایسا موقع کیوں دیا جو وہ تجھ میں موجود ہو کر معدوم ہوا تو یہ سزا معدوم محض پر نہیں بلکہ معدوم بعد الوجود① پر ہے تو مقتضائے عقل یہ ہوا کہ اگرچہ یہ بات ہے کہ زمانہ اختیار میں نہ رہا تو زمانی بھی (یعنی وہ فعل) اختیار میں نہ رہا نہ وہ لوٹ سکتا ہے نہ اس کے ساتھ حقیقتاً مجرم موصوف ہے لیکن سزا کا مدار اس پر نہیں بلکہ مطلق وجود اگر اس پر عدم طاری ہو گیا ہو سزا کے لیے کافی ہے اس لیے گزشتہ جرم پر سزا ضرور ہونی چاہیے۔

عقل کی بے رحمی

یہاں بطور جملہ معترضہ کہا جاتا ہے کہ آج کل عقل کا زمانہ ہے، لوگ عقل کے ایسے دلدادہ ہوئے ہیں اور ایسی دوستی کی ہے عقل سے کہ شریعت کو بوجہ خلافِ عقل فتویٰ دینے کے چھوڑ دیتے ہیں مگر عقل کی درستی دیکھ لی، آپ نے کہ اس نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ گزشتہ جرم پر سزا ہونا چاہیے مگر حق تعالیٰ نے یہ فتویٰ منظور نہیں کیا اور کہہ دیا ہم بہت سے گناہوں کی سزا معاف کر دیں گے۔ شریعت جو آپ کو ناگوار ہے وہ اس قدر آپ کی خیر خواہ ہے اور رحم کرتی ہے اور عقل جس کے آپ مرید ہیں وہ ایسی آپ کی دشمن ہے مقابلہ کر کے فیصلہ کیجئے جس نے دونوں کو دیکھا ہے اس نے تو کہہ دیا۔

آزمودم عقل دور اندیش را بعد ازین دیوانہ سازم خویش را②

اور کہہ دیا کہ:

اوست دیوانہ کو دیوانہ نشد این عس را دید و درخانہ نشد③

یہ خیر خواہ صاحب ایسے ہیں جیسے الف لیلیٰ کے نائی نے اپنے آقا کی خیر خواہی کی تھی کہ وہ کسی وجاہت شخص کی بیٹی سے تعلق رکھتا تھا اور خفیہ اس کے پاس گیا تھا یہ نائی صاحب بھی خدمت کے لیے ساتھ تھے وہ شخص گھر آیا تو چور صاحب چھپ گئے، اتفاق

---

① موجود ہونے کے بعد معدوم ہونے والے فعل پر ہے ② ”میں نے عقل دور اندیش کو بارہا آزمایا، بعد میں اپنے آپ کو دیوانہ بنالیا“ ③ ”وہ دیوانہ دیوانہ نہیں ہے جو کوتوال کو دیکھتا ہے (اور اس کے ڈنڈے سے بچنے کے لیے) گھر چلا جاتا ہے“۔

سے وہ شخص اپنے نوکر کسی قصور پر مارنے لگا، نائی سمجھا میرا آقا پٹ رہا ہے، آپ حمایت کے لیے دوڑے اور اس شخص سے کہلا بھیجا کیا میرا آقا خود آیا ہے؟ تیری ہی بیٹی نے بلایا ہے پھر میرے آقا کو کیا کہتا ہے غرض نائی صاحب نے بتلایا کہ میرا آقا تیرے گھر میں ہے پھر تو اسکو تلاش کر کے نکالا گیا اور خوب رسوائی اور کندہ کاری ہوئی، یہ قصے بچپن میں دیکھے تھے۔ ہیں تو یہ لغویات مگر بچپن کا شغل بھی اس وقت کام دکھا گیا اور نتیجہ اس سے اچھا نکل آیا۔ غرض عقل ایسی ہی خیر خواہ ہے، سینکڑوں قصے اس قسم کے موجود ہیں جن سے عقل کی بدخواہی اور بے رحمی ثابت ہوتی ہے۔

شریعت کی خیر خواہی

میں ایک نظیر اور دیتا ہوں اس بات کی کہ عقل آپ کے ساتھ ہمدردی کرتی ہے یا شریعت۔ دیکھئے! عقل کا متقاضا ہے کہ جتنی بڑی چیز مقصود ہو اتنی ہی کوشش بھی زیادہ چاہیے۔ ایک مقدمہ یہ ہوا اور اس کے ساتھ دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ آخرت کی دنیا سے کیا نسبت ہے ظاہر ہے کہ دنیا فانی ہے اور آخرت باقی ہے اور فانی اور باقی میں کیا نسبت ہوسکتی ہے۔

چہ نسبت خاک را با عالم پاک ①

اور ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا کے بعض اعلیٰ مقاصد بھی اتنی کوششوں کے محتاج ہیں کہ تمام عمر، ان میں کھپ جاتی ہے پھر بھی بعض وقت میسر نہیں ہوتے تو اس حساب سے آخرت کے کسی ادنیٰ مقصد کے لیے بھی کوشش اس دنیوی مقصد سے زیادہ ہی ہونا چاہیے کیونکہ وہ کیسا ہی ادنیٰ ہو مگر باقی ہونے کی وجہ سے فانی سے تو اعلیٰ ہی ہے۔ ادنیٰ کہنا کسی مقصد آخرت کو صرف بہ نسبت دیگر مقاصد آخرت کے ہے ورنہ دنیا کے تو کسی اعلیٰ سے اعلیٰ مقصد کو بھی اس سے کچھ لگاؤ نہیں ہوسکتا۔ غرض عقل یہ حکم کرتی ہے کہ آخرت اس وقت حاصل ہوسکتی ہے جبکہ کوشش اس کے اندازہ کی موافق ہو اور شریعت کا حکم یہ ہے کہ تھوڑی کوشش بھی کافی ہے پھر وہ تھوڑی کوشش بھی دس حصہ تک بڑھا دی جاتی ہے بلکہ رعایات کو اگر دیکھا جاوے تو یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ صرف بہانہ دیکھا جاتا ہے کہ ذرا سی کوشش کرے بلکہ کوشش کا ارادہ ہی کرے بلکہ ذرا رخ بھی اوپر کو کرے تو اس کے اوپر

① عالم پاک سے خاک کو کیا نسبت۔

انعامات کی بارش کر دیں۔ اب دیکھ لیجئے! کہ عقل کی خیر خواہی بڑھی ہوئی ہے یا شریعت کی۔ پھر افسوس ہے کہ اس کو خیر خواہ کہیں جس کے یہاں ضابطہ کے سوا رعایت کا نام ہی نہیں اور واقعی خیر خواہ کو دشمن سمجھیں۔ اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ عقل بری چیز ہے، نہیں عقل کام کی چیز بھی ہے مگر اس قید سے کہ اس سے زیادہ دوستی نہ کرو، تھوڑا کام لو وہ کام یہ کہ اس کے ذریعے سے اصول دین کو سمجھ لو باقی فروع میں یہ بیکار ہے فروع میں اس کے فتویٰ پر عمل نہ کرو۔

مراحم خسروانہ

غرض معصیت کے بارے میں مقتضائے عقل تو یہ ہے کہ گزشتہ جرم پر سزا ضرور ہو مگر شریعت نے اس کو نہیں مانا اور اپنا قانون یہ رکھا ہے: وَهُوَ ٱلَّذِي يَقۡبَلُ ٱلتَّوۡبَةَ عَنۡ عِبَادِهِۦ وَيَعۡفُواْ عَنِ ٱلسَّيِّـَٔاتِ ① یعنی حق تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ توبہ کو قبول فرماتے ہیں اور گناہوں سے درگزر کرتے ہیں۔ عقلی قواعد کو سب کو بالائے طاق رکھ دیا۔ یہ نعمت کس قدر شکر کے قابل ہے اور کس قدر غنیمت سمجھنا چاہیے یہ وہ حکم ہے جو عقل کے خلاف صرف ہماری خاطر سے جاری کیا گیا ہے۔ یہ ایسا ہوا جیسے کوئی پھانسی کا مجرم ہو اور کوئی گنجائش اس کے مقدمہ میں نہ ہو اور تمام عدالتوں سے پھانسی کا حکم بحال رکھا گیا ہو لیکن سلطان اس کو بلا کر ایک دم یوں کہہ دے کہ مراحم خسروانہ سے اس کو معاف کرتے ہیں، صرف اس شرط سے کہ تم اقرار کرو کہ آئندہ ایسا نہ کروں گا۔ بتائیے! اس ترحم کو دیکھ کر اس کی کیا حالت ہوگی۔ اس کے پیروں میں گر پڑے گا اور دل و جان سے فدا ہو جاوے گا۔ کیا اس وقت یہ کہ سکتا ہے کہ وہ اس اقرار میں ذرا بھی دیر لگائے گا۔ دیر لگانا کیا معنی؟ اس سے تو اگر یہ بھی کہیں کہ تمام عمر اس توبہ کا وظیفہ پڑھا کر، تب بھی اس کو تامل نہ ہوگا۔ یہ ہے توبہ جس سے لوگ بھاگتے پھرتے ہیں اس کو غنیمت نہیں سمجھتے کہ ضابطہ کو چھوڑ کر ہمارے ساتھ ترحم کا برتاؤ کیا گیا جس کا ہم کو کسی طرح استحقاق نہ تھا۔ غرض گزشتہ گناہوں کی تدبیر تو یہ ہے کہ ان سے شرعی قاعدہ کے موافق توبہ کی جاوے اور آئندہ کے گناہوں کا جن کو میں نے دوسری قسم کہا تھا علاج یہ ہے کہ ان کا انسداد کیا جاوے اور خیال رکھا جاوے کہ گناہ نہ ہونے پاوے یہ ہے مجاہدہ جو ہر وقت کا شغل ہے کیونکہ ہماری

① سورۃ الشوریٰ: ۲۵

طبائع کی یہ خاصیت ہے کہ ہر آن میں ضرورت ہے انسداد گناہ ① کی ذرا نظر چوکی اور گناہ کا صدور ہوا۔ حق تعالیٰ نے اسی مضمون کو اس آیت میں جو اس وقت تلاوت کی گئی ہے بیان فرمایا ہے اور میرا اختیار کرنا اس آیت کو بے حد مناسب ہوا کیونکہ یہ مضمون جامع ہے مسلمانوں کے تمام مفاسد ② کو کیونکہ مفاسد کا خلاصہ گناہ ہیں اور گناہ کے جملہ اقسام کا اور ان کی تدابیر کا اس میں بیان ہے اور ان دو آیتوں میں ان کی ہی بحث ہے اول میں گناہ سے بچنے کی تدبیر کا بیان ہے اور دوسری میں گناہ کے ممتد ہونے کے اسباب کا بیان ہے کہ گناہ میں ترقی کیونکر ہوتی ہے تاکہ ان سے بچ سکیں۔

توبہ طاعات

مگر تفسیر آیت سے پہلے میں ایک ضروری مضمون پر متنبہ کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ توبہ کے متعلق ایک بات قابل یاد رکھنے کی ہے جس میں بہت لوگ غلطی کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک شخص نے مجھ سے سوال کیا تھا اس کو مع جواب کے نقل کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ جب گزشتہ گناہوں کے لیے توبہ کافی ہے تو نماز اگر وقت پر نہ پڑھی گئی تو اس کا تدارک یہ ہونا چاہیے کہ توبہ کر لی جاوے کیونکہ وہ گناہ ہوا اور توبہ گزشتہ گناہ کا علاج ہے اس کی قضا کی کیا ضرورت ہے۔ میں نے کہا کہ توبہ سے گناہ معاف ہوتے ہیں نہ کہ طاعات، طاعت کا وجوب جب ذمہ ہو چکا تو وہ تو ادا کرنے ہی سے ادا ہوگی تو طاعت گزشتہ کی قضا معاف نہیں ہوسکتی ہاں توبہ سے تاخیر صلوٰۃ کا گناہ معاف ہوجاوے گا۔ اس غلطی میں بہت لوگ مبتلا ہیں، کہتے ہیں گزشتہ را صلوات آئندہ را احتیاط ③ نصوص ④ سے ثابت ہے کہ طاعات کی قضا ⑤ ضروری ہے وہ بلا قضا کیے ذمہ سے ساقط نہیں ہوتیں ان کی توبہ کا یہی طریقہ ہے کہ ان کو ادا کیا جاوے۔ غرض توبہ طریقہ سے ہو تو سب گناہوں کی تلافی ہوسکتی ہے۔ اب سمجھئے کہ ان آیتوں میں گزشتہ گناہ اور آئندہ گناہ دونوں سے بچنے کی تدبیر حق تعالیٰ نے بتلائی ہے اور وہ تذکرہ یہی معاصیٔ ماضیہ ⑥ کے لیے کافی ہے اس طرح کہ تذکّرُ ہوگا تو توبہ کی توفیق بھی ہوگی جس مسلمان کو اپنے

---

① گناہوں کو روکنے کی ② تمام خرابیوں ③ گذشتہ گناہوں پر شرمندہ ہو اور آئندہ کے لیے محتاط رہو ④ قرآن وحدیث سے ثابت ہے ⑤ ترک کردہ عبادات کی قضاء ضروری ہے ⑥ گذشتہ گناہوں کے لیے شرمندگی۔

پہلے گناہ یاد ہوں اور اس کے ساتھ ہی حق تعالیٰ کے انعامات و احسانات کو بھی یاد کرے گا تو ضرور اس کے قلب میں ندامت اور خجلت ① کی کیفیت پیدا ہو گی۔ یہی اصل ہے توبہ کی۔ پھر وہ زبان و دل سے معافی کی بھی درخواست کرے گا لیکن یہاں ایک بات قابل تنبیہ ہے وہ یہ کہ معاصی ماضیہ کا تذکُّر ② خود مقصود بالذات نہیں صرف تحصیل توبہ کے لیے مقصود ہے جب اس تذکر سے توبہ کی توفیق ہو جاوے اور خوب گڑگڑا کر جی بھر کر حق تعالیٰ سے معافی چاہ لی جاوے تو پھر بار باران کو قصداً یاد نہ کرنا چاہیے۔ بس اب ان سے التفات ہٹالے ورنہ معاصیٔ ماضیہ کا بار بار بکثرت یاد کرنا اور ہر وقت اسی غم میں گھلنا بندہ کے اور حق تعالیٰ کے درمیان ایک حجاب ہو جاتا ہے۔ جس سے محبت و انس میں کمی ہو جاتی ہے اس کو مولانا فرماتے ہیں:

ماضی و مستقبلت پردہ خداست ③

یہ تو معاصیٔ معاضیہ کے ضرر ④ سے بچنے کی تدبیر ہے۔

سلطنتِ نفس

اور آئندہ کی حفاظت کی تدبیر یہ ہے اور وہ بھی اسی تذکر میں داخل ہے کہ انسان میں ایک کمبخت چیز تقاضائے نفس ہے۔ یہی باعث ہوتا ہے معصیت کا۔ شیطان کا اثر بھی بواسطہ تقاضائے نفس ہی ہوتا ہے اگر تقاضائے نفس نہ ہو تو شیطان کا بہکانا اس سے زیادہ اثر نہیں رکھ سکتا کہ اندھے سے کہیں کہ عورت کو دیکھ یا بہرے سے کہیں کہ گانا سن اور وہ یہ کہنے سے اس پر آمادہ بھی ہو جاویں لیکن ان میں خود دیکھنے کی اور سننے کی قوت نہیں تو اس صورت میں وہ اس خاص گناہ میں مبتلا نہیں ہو سکتے گناہ جب ہی ہوتا ہے کہ اندر سے اس کی طرف میلان موجود ہو اس میلان ہی کو تقاضائے نفس کہتے ہیں اور شیطان ذرا اس کا محرک ہو جاتا ہے۔ اصل چیز تقاضائے نفس ہی ہے اور شیطان کوئی چیز نہیں (اس کے معنی کوئی صاحب یہ نہ سمجھ جاویں کہ میں شیطان کے وجود کا منکر ہوں۔ جیسا کہ آج کل بعض لوگوں کا مذہب ہو گیا ہے، اس کا جواب تو ایک شخص نے خوب دیا تھا، ایک شخص اسی خیال سے کمرہ میں ٹہلتے پھرتے تھے اور کہہ رہے تھے کہ

① شرمندگی ② گذشتہ گناہوں کا یاد کرنا ③ ''ماضی اور مستقبل اللہ تعالیٰ کا پردہ ہے'' ④ گذشتہ گناہوں کے نقصان سے بچنے کی صورت ہے۔

شیطان کیا چیز ہے؟ کسی نے دیکھا ہے۔ خواہ مخواہ ایک فرضی چیز کو کیوں مان لیا جاوے۔ انسان خود اپنا شیطان ہے ان کے ایک دوست نے کہا کہ جناب آپ نے شیطان کو نہیں دیکھا؟ میں دکھلا دوں۔ یہ کہہ کر آئینہ کے سامنے لا کر کھڑا کر دیا اور کہا دیکھ لیجئے اس میں شیطان موجود ہے ایسے اعتراضوں کے لیے ایسے ہی جواب ٹھیک ہوتے ہیں)۔ غرض شیطان کا وجود تو ہے مگر میرا مطلب یہ ہے کہ اس کو زیادہ دخل معصیت کے کرانے میں نہیں ہے بلکہ زیادہ دخل نفس کو ہے اور میں اس پر ایک لطیف دلیل رکھتا ہوں وہ یہ کہ آخر شیطان کو کس نے تباہ کیا، اسی نفس نے۔ نفس ہی کے اغواء سے تو یہ شخص شیطان ہو گیا ورنہ یہ شیطان نہ تھا۔ گو معلم الملوک ① بھی نہ تھا جیسا کہ مشہور ہے کہ یہ فرشتوں کو پڑھایا کرتا تھا، فرشتوں کو پڑھنے کی اور الف ب کی تعلیم کی ضرورت ہی کیا ہے ان کو تو احکام ملہم ہوتے ہیں۔

شیطان ایک شخص تھا جس کا نام عزازیل تھا، نفس ہی کے اغواء سے اس نے نافرمانی کی اور مردود ہو گیا، اس واسطے نام اس کا شیطان ہو گیا، ابلیس ہو گیا۔ ابلیس مشتق ہے تلبیس سے۔ تلبیس کے معنی ہیں ناامید کرنا یہ چونکہ خود بھی رحمت الٰہی سے ناامید ہے اور دوسروں کو بھی ناامید کرتا ہے اس لیے ابلیس لقب ہو گیا اور اصل میں اس کا نام عزازیل ہے پس جبکہ شیطان کو بھی نفس ہی نے غارت کیا تو اصل چیز نفس ہی ہوا۔ اب اگر کوئی سوال کرے کہ نفس کو کس نے خراب کیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ نفس کی ذات میں خود شر کا مادہ ہے گو یہ شرارت بھی مجعول ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ زمین پر روشنی آتی ہے، آفتاب سے اور آفتاب میں روشنی ذاتی ہے۔ ذاتی کے یہ معنی نہیں کہ وہ مجعول نہیں ہے ②، ہے مجعول ہی مگر اور کوئی نور واسطہ نہیں ہے ③۔ اسی طرح شیطان کو گمراہ کیا، نفس نے اور نفس میں یہ مادہ ذاتی ہے تو شیطان سے نفس بڑھا ہوا ہے اور اصل چیز معصیت میں نفس ہی ہے شیطان کا کام اتنا ہے کہ نفس کو سکھلاتا ہے، اس میں بھی شرط یہ ہے کہ اس میں صلاحیت دیکھے ورنہ اگر صلاحیت نہ دیکھے تو کچھ نہیں کر سکتا۔

وزارت شیطان

اس کی مثال وزیر اور بادشاہ کی سی ہے کہ وزیر کو بڑا دخل ہے ہر کام میں مگر وہ

① فرشتوں کا استاد ② کہ کسی کی بنائی ہوئی اور عطا کی ہوئی نہیں ہے بلکہ اس کی ذاتی ہے ③ یعنی اس کو روشنی تو دی گئی ہے کہ اللہ پاک نے دیا ہے اس کی روشنی چاند کی روشنی کی طرح کسی اور مستفاد نہیں ہے۔

دخل یہی ہے کہ سلطان کو مشورہ دے اور سلطان اپنے ارادہ سے کام کرتا ہے۔ وزیر کا قابو اسی صورت میں چل سکتا ہے کہ سلطان میں استعداد اس کے اتباع کی ہو کہ اس صورت میں جو کچھ وزیر چاہے گا اس سے کرالے گا جس پر چاہے ظلم کرا وے اور اگر سلطان اس کے قابو میں نہ ہو تو وزیر کو اختیار بالذات کسی کام کا نہیں ہے۔ اس واسطے کہا ہے الشیطان وزیر النفس سلطان ① یعنی شیطان تو وزیر ہے اور نفس سلطان ہے۔ مطلب یہ کہ اصل قابو نفس ہی کا ہے اور شیطان کو چنداں قابو نہیں۔ اور یہ قرآن شریف سے بھی مفہوم ہے حق تعالیٰ نے شیطان کا قول نقل فرمایا ہے جو وہ قیامت کے دن کہے گا: ''وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيۡكُم مِّن سُلۡطَٰنٍ إِلَّآ أَن دَعَوۡتُكُمۡ فَٱسۡتَجَبۡتُمۡ لِيۖ ''② یعنی جب دوزخی شیطان پر اعتراض کریں گے کہ تو نے ہم کو بہکایا تو وہ جواب میں کہے گا کہ میرا کچھ قابو تم پر نہیں تھا اس سے زیادہ میں نے کیا کیا؟ کہ تم کو ایک کام کی طرف بلایا اور تم نے اس کو مان لیا دیکھ لیجئے! قرآن سے اس کا ثبوت ہو گیا بلکہ خود ارشاد خداوندی بھی ہے: ''إِنَّهُۥ لَيۡسَ لَهُۥ سُلۡطَٰنٌ ''③ الآیۃ۔ غرض شیطان اتنا برا نہیں ہے جتنا لوگوں کی زبان پر ہے کیونکہ کسی کو گھسیٹ کر معصیت کی طرف نہیں لے جا سکتا۔ ہاں کہتا ہے اور خوب ترغیب دیتا ہے معصیت کی۔ گو فساد سارے اس کی ترغیب ہی سے ہو جاتے ہیں مگر بڑھاتا ہے نفس۔ جیسے شیطان کے شیرہ کا قصہ مشہور ہے۔ یعنی کسی نے شیطان سے کہا تھا کہ تم نے دنیا میں بڑا فساد مچا رکھا ہے، اس نے کہا میں تو مفت میں بدنام ہوں، آؤ میں تمہیں دکھاؤں کہ میں کیا کرتا ہوں۔ ایک بنئے کی دکان پر لے گیا اور ایک انگلی سے شیرہ دیوار پر لگا دیا، اس پر ایک مکھی آ بیٹھی، مکھی پر ایک چھپکلی لپکی، بنئے کی بلی چھپکلی پر جھپٹی اسی وقت ایک فوجی سوار کچھ سودا بنئے کی دکان سے لے رہا تھا اس کے ساتھ ایک بڑا کتا تھا، وہ بلی پر دوڑا، بنئے نے اپنی بلی کو بچانے کے لیے کتے کے سر پر ڈنڈا مارا اتفاق سے ڈنڈا نازک جگہ پر لگ گیا اور کتا وہیں تڑپ کر مر گیا، سوار کو جو غصہ آیا اس نے تلوار کھینچ لی اور بنئے کو وہیں مار ڈالا، اس کو دیکھ کر بنئے دوڑ پڑے اور سوار کی تکا بوٹی کر ڈالی، یہ خبر رسالہ میں پہنچ گئی وہاں سے اس کے ساتھی توپ اور بندوق لے کر چڑھ آئے

---

① شیطان وزیر اور نفس بادشاہ ہے ② سورۂ ابراہیم: ۲۲ ③ بلاشبہ وہ (ان لوگوں کا ایمان والوں کا) بادشاہ نہیں ہے''۔

اور آن کی آن میں خون کے ندی نالے بہہ گئے ۔شیطان نے کہا دیکھو! میں نے اس فساد میں کیا کیا؟ سوائے اس کے کہ ایک انگلی بھر شیرہ لگا دیا تھا پھر جو کچھ طوفان برپا ہوا وہ تمہی لوگوں نے کیا۔ (یہ قصہ کوئی کتابی تو ہے نہیں، صرف ایک تمثیل ہے سو تمثیلات ایسی ہی ہوا کرتی ہیں) لشکر میں اونٹ بدنام ہوتا ہے۔

شیطان کا کام

شیطان کا نام نکل گیا ہے ورنہ اس کا کام تو صرف یہ ہے کہ دیا سلائی میں مصالح لگاتا ہے وہ دیا سلائی کام نہیں دے سکتی جب تک کہ رگڑی نہ جاوے اور یہ رگڑنا دوسروں کا کام ہے ایک ایک دیا سلائی سب کی جیب میں ڈال دی ہے اس میں آگ بالقوہ موجود ہے، مصالح پر رگڑو گے تو آگ لے لے گی ورنہ ہرگز نہیں لے گی تو اس میں سے آگ نکلنا تمہارے ارادوں پر موقوف ہے کوئی گناہ بھی ایسا نہیں جو اختیار سے باہر ہو۔

نگاہ کا تیر

مثلاً کہتے ہیں کہ نگاہ پر قابو نہیں، نظر بد سے رکا نہیں جاتا، یہ غلط ہے، نظر یقیناً فعل اختیار ہے اور میں کہتا ہوں کہ جو تکلیف نظر کرنے میں ہوتی ہے وہ نظر کو روکنے کی تکلیف سے زیادہ ہے۔ یہ ایسی بلا کی چیز ہے کہ کسی نے اس کے بارے میں بہت ہی ٹھیک کہا ہے اور بیتی ہوئی کہی ہے:

درون سینہ من زخم بے نشاں زدہ به حیرتم کہ عجب تیرے بے کماں زدہ ①

تجربہ کر کے دیکھئے! دو چار دفعہ نظر کو رد کیئے! اس سے اندازہ ہو جاوے گا کہ جو تکلیف نظر کرنے میں ہوتی ہے وہ اس میں ہرگز نہیں ہوگی۔ ایک روایت ہے: "اَلنَّظُرُ سَهُمٌ مِنْ سِهَامِ إِبْلِيسَ" ② یعنی نظر ایک تیر ہے شیطانوں کے تیروں میں سے۔ نظر کرنے سے دل میں ایک آگ بھڑک اٹھتی ہے اور نظر کو روکنے میں وہ آگ گھٹتی ہے جس سے تکلیف ضرور ہوتی ہے لیکن وہ آگ وہیں رہ جاتی ہے جہاں تھی بھڑکتی نہیں۔ گھٹ کر بجھ جاتی ہے اور نظر کرنے سے موت تک نوبت آجاتی ہے کیونکہ ہر نگاہ کے بعد نکاح تو

---

① میرے سینے میں ایک بے نشان زخم ہے حیرت زدہ ہوں کہ بغیر کمان کے کیسا تیر لگا ہے ② "نظر شیطان کے تیروں میں سے ایک تیر ہے" مجمع الزوائد: ٦٣، الترغیب والترہیب للمنذری: ۳۳۴

ضروری نہیں جو اصل غایت ہے نگاہ کی اور جب غایت حاصل نہیں تو پھر تقاضا پیدا ہوتا ہے تکرار[1] نگاہ کا اور پھر بھی مقصود حاصل نہیں ہوتا تو پھر تقاضا ہوتا ہے۔ غرض یہ سلسلہ ختم نہیں ہوتا تو نگاہ کر لینے کا نقصان تو ختم نہیں ہوتا اور نگاہ کو روک لینے کی تکلیف ذرا دیر میں ختم ہو لیتی ہے۔

عبرتناک واقعہ

ایک حکایت لکھی ہے ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے کہ ایک عاشق جو محبوب کے ملنے سے مایوس ہو چکا تھا، مرنے لگا، کسی نے محبوب سے جا کر کہا کہ وہ مر رہا ہے رحم کرو، اگر اس وقت پہنچ جاؤ گے تو اس کی جان بچ جاوے گی۔ کچھ اس کی سمجھ میں آ گئی اور اٹھ کر اس کی طرف چل پڑا۔ کسی نے عاشق کو خبر دی کہ تیرا محبوب آ رہا ہے یہ سن کر اس میں جان آ گئی اور اٹھ کر بیٹھ گیا اور اس کی وہ حالت ہوگئی جس کو کسی نے کہا ہے:

ازسر بالین من برخیز اے نادان طبیب — درد مند عشق را دارو بجز دیدار نیست
اگر چہ دور افتادم بدیں امید خرسندم — کہ شاید دست من بار دگر جانان من گیرد[2]

مگر آتے آتے محبوب کو کچھ غیرت آئی اور یہ کہہ کر لوٹ گیا کہ کون بدنام ہو کسی نے یہ بھی جا کہا، یہ خبر سنتے ہی پھر وہ عاشق گر گیا اور نزع میں مبتلا ہو گیا، اس سے کہا گیا کہ کلمہ پڑھ تو وہ بجائے کلمہ کے کفر کا کلمہ کہتا ہے:

رضاك اشهى الى فوادى — من رحمته الخالق الجليل[3]

اور اسی حالت میں جان نکل گئی۔ دیکھئے کس قدر عبرت ناک واقعہ ہے اس کی اگر اصل تلاش کریں گے تو کہیں پہنچ کر نگاہ ہی پر ختم ہوگی۔ جان بھی گئی اور ایمان بھی گیا اور یہ سب خرابی نگاہ کی ہوئی۔ اب دیکھ لیجئے! کہ نگاہ کرنے میں زیادہ تکلیف ہوئی یا نگاہ کے روکنے میں ہوتی، نگاہ کے روکنے میں کہیں نہ سنا ہوگا کہ کوئی تکلیف سے مر گیا ہو، تکلیف اس میں ضرور ہے مگر وہ تکلیف آسان ہے۔

---

① بار بار دیکھنے کا ② ”اے نادان طبیب میرے سرہانے سے اٹھ جا، دردمندان عشق کا علاج سوائے دیدار کے اور کچھ نہیں، اگر چہ میں دور پڑا ہوں مگر اس امید پر خوش ہوں کہ کبھی میرا ہاتھ دوبارہ میرا محبوب پکڑے گا“ ③ ”میں تو خالق جلیل کی رحمت کے بجائے اپنے دل میں تیری رضا کو چاہتا ہوں“

نظر کی پاکیزگی

یہی نکتہ ہے کہ جس آیت میں غض بصر ① اور حفاظت فرج دونوں کا حکم ہے اس میں حق تعالیٰ نے امر غض بصر ② کو مقدم کیا ہے۔ ارشاد ہے: "قُل لِّلۡمُؤۡمِنِينَ يَغُضُّواْ مِنۡ أَبۡصَٰرِهِمۡ وَيَحۡفَظُواْ فُرُوجَهُمۡ" ③ یعنی کہہ دیجئے مومنین سے کہ اپنی نگاہیں نیچی کریں یعنی نظر سے بچیں اس حکم کو مقدم کیا۔ دوسرے حکم پر یعنی وَيَحۡفَظُواْ فُرُوجَهُمۡ پر یعنی اصل فعل سے بچنے پر اس کی وجہ یہی ہے کہ غض بصر ذریعہ ہے حفاظت شرمگاہ کا اور ذریعہ آسان ہوتا ہے اسی واسطے اس کو اختیار کیا جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ اصل فعل یعنی زنا سے بچنا اتنا آسان نہیں جتنا نظر کو بچا لینا آسان ہے۔ ثابت ہوا کہ غض بصر کوئی زیادہ مشکل کام نہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ شریعت مقدسہ نے آسانی کے واسطے تدبیر بتلائی ہے اور اسی واسطے پردہ کا حکم رکھا ہے، لوگ کہتے تو ہیں کہ پردہ کی کیا ضرورت ہے؟۔ اصل گناہ یعنی زنا کیا نہ جاوے پردہ ہو یا نہ ہو۔ میں کہتا ہوں کہ ذرائع کو اختیار کرنے کے بعد بھی اگر مقصود میں کامیابی ہو جاوے تو بہت ہے۔ چہ جائیکہ ذرائع کو اختیار ہی نہ کیا جاوے اور کامیابی کی امید رکھی جاوے۔ میں کہتا ہوں کہ پردہ کے بعد بھی زنا سے بچ جاؤ تو بڑی بات ہے کیونکہ شیطان کے شر سے کہیں بے پردگی ہو جاتی ہے اور پردہ کو توڑ کر امید رکھنا کہ زنا سے حفاظت رہے گی، محض حماقت ہے ان لوگوں نے شرعی انتظام کو بالکل لغو سمجھا ہے۔

پردہ کی ضرورت

ذرا بتائیں! کہ یہاں یغضوا کو یحفظوا پر مقدم کرنے میں کیا حکمت ہے؟ سوائے اس کے کہ حفاظت فرج کے لیے وہ ذریعہ ہے، شریعت کو اتنا اہتمام حفاظت کا منظور ہے کہ اس کے لیے ذرائع کے اختیار کرنے کا حکم دیا۔ نیز شریعت کے نزدیک حفاظت فرج اس قدر مشکل ہے جس کے لیے ذریعہ کو ضروری بتلایا اور براہ راست کامیابی کو عادۃً ناممکن قرار دیا مگر یہ شخص جو پردہ کا مخالف ہے شریعت میں اصلاح دینا چاہتا ہے کہ وہ تو ایک کام کو اتنا مشکل سمجھتی ہے اور یہ اس کو آسان سمجھیں۔ صاحب! تجربہ کر

① نظر نیچی رکھنے اور شرمگاہ کی حفاظت ② نظر جھکانے کے حکم کو ③ سورۃ النور: ۳۰

کے دیکھ لیجئے! کہ جہاں پردہ نہیں وہاں زبانی دعویٰ جو کچھ بھی ہوں لیکن زنا سے حفاظت مطلق نہیں ہے۔ مخالفان پردہ کے گھروں میں جب واقعات رونما ہوں گے ان کی اس وقت آنکھیں کھلیں گی۔ بہت اچھا یہ پردہ کو توڑ کر دیکھیں، انشاء اللہ اب سے بیس برس کے بعد ان کو وہی کہنا پڑے گا جواب شریعت کہہ رہی ہے مگر جب یہ بے پردگی کے برے نتائج اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔ اس وقت پھر اپنی غلطی کے اقرار کا وقت نہ رہے گا کیونکہ پھر روکنا کسی کے اختیار میں نہ ہوگا۔

بے پردگی کے مفاسد ①

اس پر ایک جگہ اعتراض کیا گیا ہے کہ پردہ میں بھی سب کچھ ہو جاتا ہے جن طبیعتوں میں خرابی ہوتی ہے وہ کسی صورت میں باز نہیں رہ سکتیں، کیا پردہ داروں میں زنا نہیں ہوتا؟ میں نے کہا جب کبھی کچھ ہوا تو بے پردگی ہی سے ہوا اور اکثر تو یہ ہے کہ جن لوگوں میں ایسے واقعات ہوئے ہیں ان کو پردہ دار کہنا ہی برائے نام ہے ورنہ ان کے یہاں نہ چچازاد بھائی سے پردہ ہے نہ ماموں زاد بھائی سے، نہ خالہ زاد سے، نہ بہنوئی سے، نہ دیور سے، نہ جیٹھ سے۔ جب ہی تو یہ مفاسد مرتب ہوئے ہیں۔ اس حالت میں ان کو پردہ دار کہنا ایسا ہے جیسے کوئی معزز آدمی جوّا کھیل کر یا شراب پی کر جیل خانہ میں پہنچ جائے کوئی کہے لو صاحب! جیل خانہ میں معززین بھی جانے لگے۔ یہ غلط ہے بلکہ وہ معززین جیل خانہ میں جب ہی پہنچے جب کہ عزت کو چھوڑ دیا۔ اس وقت ان کو معزز کہنا تو ان کا صرف خاندانی انتساب سے ہے ورنہ عزت تو رخصت ہو چکی کیونکہ عزت تو عزت کے افعال کا نام ہے جب جوّا کھیلا یا شراب پی تو افعال بگڑ چکے، پھر عزت کہاں؟ ایسے ہی پردہ داروں میں جب زنا ہو جاتا ہے ان کو پردہ دار کہنا باعتبار ما کان ② کے ہوگا یا باعتبار رسم ③ کے ہوگا ورنہ پردہ ٹوٹنے کے بعد ہی تو اس فعل کی نوبت آئی۔ غرض غلطی ہے ان لوگوں کی جو پردہ کے خلاف ہیں اور یہ خیال خام ہے کہ زنا سے حفاظت ہو سکتی ہے بلاسدّ ذرائع ④ کے۔ جب شریعت اس کو ایسا مشکل سمجھتی ہے کہ اس کے لیے ذرائع اور تدابیر کی ضرورت سمجھتی ہے تو وہ واقع میں مشکل ہی ہے، شریعت کی نظر ہم سے کہیں غامض ⑤ ہے؟

① نقصانات ② ان کے یہاں کبھی ہوتا تھا ③ رسمی پردہ ④ بغیر ذرائع سے رکے ⑤ گہری

اس کے سامنے ہماری تحقیق کیا چیز ہے؟ اور پھر وہ کچھ تحقیق بھی تو ہو، صرف تقلید اور خودرائی کا نام تو تحقیق نہیں ہوسکتا۔

ضبطِ نفس

خوب سمجھ لیجئے ! کہ عفت ① نہایت قابلِ اہتمام چیز ہے اور اس کے لیے ان ذرائع کی ضرورت ہے جو شریعت نے تجویز کیے ہیں اور وہ ذرائع اختیار میں ہیں مثلاً نگاہ کا بچانا کہ یہ قابو سے باہر نہیں ہے گو اس میں کچھ تکلیف ہو مگر وہ تکلیف نگاہ کو آلودہ کرنے کی تکلیف سے کم ہے۔ غرض نفس کو نگاہ کے روکنے سے تکلیف تو ہوتی ہے مگر یہ روک لینا اختیار میں ہے اگر اپنے اختیار سے کام لیا جاوے اور اس تھوڑی سی تکلیف کو گوارا کر لیا جاوے تو شیطان اخیر تک نہیں پہنچ سکتا۔ شیطان کو ہر معصیت میں اختیار صرف بلانے اور ترغیب دینے ہی کا ہے۔ بُری چیز وہ تقاضا ہے جو خود آپ کے اندر موجود ہے، یعنی تقاضائے نفس، تو شیطان سے بڑا نفس ہوا۔ شیطان کو جس قدر بدنام کر رکھا ہے اس کا مستحق وہ بیچارہ ہے نہیں، نفس کو روکئے ! یہاں تک دو مقدمے ہوئے، ایک یہ کہ معصیت کا اصل سبب تقاضائے نفس ہے اور شیطان صرف محرک ہے ② وہ کوئی فعل جبراً ہم سے نہیں کرا سکتا کہ ہم ارادہ بھی نہ کریں اور کام ہو جاوے اور دوسرا مقدمہ یہ ہوا کہ تقاضائے نفس کے بعد ہمارا ارادہ سببِ معصیت ہے اور تیسرا مقدمہ یہ ہے کہ علاج بالضد ہوتا ہے تو جبکہ معصیت تقاضائے نفس سے ہوتی ہے تو کوئی تدبیر معصیت سے بچنے کی سوائے اس کے نہیں کہ تقاضائے نفس کو ضبط ③ کیا جاوے اور یہ مشکل ہے۔

علاجِ معصیت

اس کے لیے سہل تدبیر یہ ہے کہ دیکھا جاوے کہ تقاضائے نفس کیوں ہوتا ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ معاصی میں نفس کو لذت آتی ہے وہ لذت گناہ کرنے والے کے پیش نظر ہوتی ہے اور واقع میں اس گناہ پر ایک عقوبت بھی مرتب ہونے والی ہے وہ پیش نظر نہیں ہوتی اور وہ خدا کی ناراضی ہے اور عذابِ جہنم ۔ اس کو دوسرے لفظ سے اس طرح کہہ سکتے ہیں کہ گناہ کرنے والے کو ارادۂ گناہ کے وقت صرف ایک مخلوق پیش نظر ہوتی

① پاکدامنی ② اس تقاضے کو بھڑکانے والا ③ نفس کے تقاضے کو قابو کیا جائے۔

ہے یعنی لذت اور خدا پیش نظر نہیں ہوتا۔ اگر خدا ابھی پیش نظر ہو جائے تو تقاضائے گناہ کبھی نہ ہو کیونکہ جب کوئی مانع پیش نظر ہوتا ہے تو بیجا کام کا ارادہ بھی نہیں ہوتا۔ مثلاً باپ کے سامنے بیٹے کا حقہ پینا معیوب سمجھا جاتا ہے تو جب تک باپ سامنے ہو اور بیٹے کو اس کا علم بھی ہو تو وہ حقہ نہیں پی سکتا اور اگر سامنے نہ ہو یا اس کے سامنے ہونے کا علم نہ ہو تو بے تکلف پیئے گا تو تقاضائے نفس کا سبب یہ نکلا کہ لذت پیش نظر ہے اور خدا پیش نظر نہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک کیفیت کے استحضار اور غلبہ سے دوسری کیفیت مغلوب اور بے اثر ہو گئی ہے۔ دیکھا ہو گا کہ ایک شخص کھانا کھانے بیٹھے اور اس کو بھوک بھی ہو لیکن اسی حالت میں اس کا کوئی گہرا دوست آ کر آواز دے تو وہ بے اختیار کھانا چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہو گا۔ دیکھئے! بھوک موجود ہے لیکن مغلوب ہو گئی، دوست کی محبت سے یعنی ایک کیفیت مغلوب ہو گئی دوسری کیفیت سے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ جس وقت آدمی معصیت کرتا ہے اس وقت وہ چیز جو داعی ہے ① معصیت کی طرف وہ تو موجود ہے یعنی استحضار لذت ② اور وہ چیز جو مانع ہے معصیت ③ سے وہ نظر سے غائب ہے۔ یعنی خوفِ عقوبت ④ یا خوف خدا۔ حاصل یہ ہوا کہ غفلت عن اللہ سبب ہے تقاضائے معصیت کا ⑤ اور جبکہ علاج بالضد ہوتا ہے تو علاج اس کا استحضار ہوا اس مانع کا اور یہی حاصل ہے تَذَكَّرُ کا جس کا اس آیت میں ذکر ہے۔ یہ علاج ایسا ہے جس کا ثبوت صرف شرعی نہیں بلکہ از روئے سائنس بھی ہے۔ دیکھئے! یہ سائنس ہی کا تو مسئلہ ہے کہ علاج بالضد ہوتا ہے اور یہ کہ ایک کیفیت کے غلبہ سے دوسری کیفیت مغلوب ہو جاتی ہے ان دونوں کے ملانے سے یہ علاج معصیت کا نکل آیا کہ عقوبت کے خیال کو یا خوف خدا پیش نظر رکھا جاوے اور اس کو لذت پر غالب رکھا جاوے اس طرح صرف تَذَكَّرُ ہی آئندہ کے معاصی سے بچنے کی بھی تدبیر ہے یہاں سے اس کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ شرعی تعلیمات سائنس کے موافق ہیں قرآن میں سب سائنس بھرا ہوا ہے مگر کونسا؟ سائنس وہ سائنس جس کی نسبت کہا ہے:

---

① گناہ پر ابھارنے والی ہے ② لذت کے حصول کا خیال ③ گناہ سے روکنے والی ④ سزا کا خوف ⑤ اللہ سے غافل ہونے کی وجہ سے ہی گناہ کا تقاضہ پیدا ہوتا ہے۔

چند خوانی حکمت یونانیاں حکمت ایمانیاں راہم بخواں①

اصلاح نفس

اور حکمت ایمانیاں وہ چیز ہے جس سے آدمی کے حس کی کجی② نکل جاتی ہے اور حقیقت شناسی پیدا ہوجاتی ہے یہ بات حکمت یونانی سے نہیں ہوسکتی کیونکہ وہ صرف قیل وقال ہے اور ان کا دعویٰ حقیقت شناسی کا صرف زبانی ہے:

صحت ایں حس بجوئید از طبیب صحت آں حس بجوئیداز حبیب③

اتباع مرشد

حبیب سے مراد شیخ مرشد ہادی ہے کہ حقیقت شناسی اس کی صحبت سے پیدا ہوتی ہے اور اس کے معنی یہ نہیں کہ اس سے بیعت بھی ضرور ہو خواہ بیعت ہو یا نہ ہو اس کی صحبت سے فیض حاصل کرے اور یہ رسمی بیعت جو صرف برکت کے لیے ہو اور اصلاح کے لیے نہ ہو اس کو تو کم کردینا چاہیے۔ حقیقت شناسی حاصل کرنے اور اصلاح نفس کی تدبیر صرف یہی ہے کہ ہادی کا دامن پکڑ لیا جاوے اور دامن پکڑنے کے معنی یہ ہیں کہ اس کا اتباع پورا پورا کیا جاوے۔ جدھر کو وہ چلاوے ادھر کو چلے۔ لیکن آج کل اس طریق کی وہ مٹی خراب④ کی گئی ہے کہ پیر اور مرید دونوں کو مقصود سے بھی بحث نہیں رہی۔ مرید تو صرف اس خیال سے بیعت ہوتے ہیں کہ مرید ہوکر ذمہ داری بخشش کی جاوے گی۔ بس اب پیر ذمہ دار ہیں کہ بخشوا ہی کر چھوڑیں گے۔ خواہ یہ کچھ کریں یا نہ کریں خواہ برے سے برے کام میں مبتلا رہیں۔ پیر صاحب خدا کے رشتہ دار ہیں اور ان کی وہاں ایسی چلتی ہے کہ جو یہ کہیں گے وہی ہوگا اور پیر صاحب کا مقصود بیعت کرنے سے نذرانہ کی تحصیل ہے⑤۔ پس یہ دونوں کے اغراض ہیں اور وہ حاصل ہیں جتنی تعداد بڑھے اتنا ہی اچھا ہے۔ بعض پیروں کے یہاں تو رجسٹر رہتے ہیں اور مریدوں کی گنتی ہوتی ہے جو سچا پیر ہے اور خدا تعالیٰ سے تعلق رکھتا ہے وہ تو تعلقات سے گھبراتا ہے اور جہاں تک ممکن ہو بکھیڑوں کو کم کرتا ہے۔ رجسٹر اور شمار بکھیڑے ہیں اس کی ضرورت ہی

---

①''یونانی حکمت کی کتابیں کب تک پڑھو، ایمانی حکمت کی کتابیں بھی پڑھو'' ②احساس کا ٹیڑھا پن
③''مرض جسمانی کی صحت کسی طبیب سے پوچھو، مرض روحانی کی صحت کسی شیخ کامل سے پوچھو''
④اصلاح کے اس طریقے کو بالکل خاک میں ملا دیا ہے ⑤پیسہ لینا

کیا ہے کہ مریدوں کے نام لکھے جاویں اور ان کی جانچ پڑتال کی جاوے یہ کام تو سلطنتوں کے ہیں کہ مردم شماری ہو اور نگرانی ہو۔ کوئی اگر اپنی اصلاح کے لیے مرید ہوگا تو اس تعلق کا محفوظ رکھنا خود اس کے ذمہ ہے۔ پیر نے مرید کا کام اپنے ذمہ کیوں لیا یہ رجسٹر اور شمار تو وہیں ہوگی جہاں کھانے پینے کا دھندا ہو ورنہ ضرورت ہی کیا ہے بلکہ خود پیری مریدی اور رسمی بیعت ہی کی کیا ضرورت ہے، اللہ کا راستہ بتانا ہے جو کوئی پوچھے اس کو بتایا جا سکتا ہے کہ مریدی کا نام نہ لگے گا تو کیا کسر رہ جاوے گی۔

حقیقت شناسی

پس شیخ وہ ہے جو خدا کا رستہ بتاوے برکت کے لیے اس سے بیعت بھی ہو جاوے تو مضائقہ نہیں۔ سو حقیقت پیری کی خدا کا رستہ بتانا ہے اور حقیقت مریدی کی اس کے بتائے ہوئے رستہ پر چلنا ہے۔ اگر یہ حاصل ہے تو اس کے ساتھ صورت بیعت کا ہونا بھی مضائقہ نہیں اور اگر صوری بیعت نہ بھی ہو تو کچھ حرج بھی نہیں جو خدا کا رستہ بتائے چاہے آدمی اس سے بیعت نہ بھی ہو تو وہ اس کا شیخ ہے اور اگر حقیقت بیعت کی موجود نہیں کہ پیر صاحب خدا کا راستہ جانتے ہی نہیں صرف کماؤ پیر ہیں یا مرید صاحب صرف بوجھ اتارنے اور پیر صاحب کو ذمہ دار بنانے کے لیے مرید ہوئے ہیں تو ایک دفعہ نہیں ہزار دفعہ بیعت ہوا کیجئے بیکار ہے۔ غرض حقیقت شناسی حاصل کرنے کا طریق یہ ہے اس سے وہ فلسفہ حاصل ہوتا ہے جو واقعی فلسفہ ہے جس کو فلسفۂ ایمانی یا حکمت ایمانی کہا گیا ہے اس کو حاصل کیجئے! پھر دیکھئے کہ یہ بات بالکل صحیح ہے کہ قرآن میں سب سائنس بھرا ہوا ہے اور اس وقت نظر آوے گا کہ کلام اللہ میں کیا کیا خوبیاں ہیں اور امراض کا علاج کیسا اصول کے موافق کیا گیا ہے۔

انسداد سبب

دیکھئے! تعلیم شرعی کتنی صحیح اور قاعدہ کے موافق ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ معصیت سے بچنے کی تدبیر یہ ہے کہ سبب کا انسداد کرو ①۔ سبب معصیت کا غفلت ہے اس چیز سے جو مانع ہوتی ہے معصیت سے ② اس غفلت کو چھوڑیئے! اور اس مانع کا

① گناہ ہونے کے سبب کو دور کرو ② گناہ کو روکنے والی چیز غفلت ہے اس کو ترک کرو

استحضار کیجئے ! یہی بتایا ہے حق تعالیٰ نے اس آیت میں ''إِذَا مَسَّهُمْ طَٰٓئِفٌ مِّنَ ٱلشَّيْطَٰنِ تَذَكَّرُوا۟ '' یعنی اہل تقویٰ کی حالت یہ ہے کہ جب ان پر شیطان کا اثر ہو جاتا ہے (میں بتا چکا ہوں کہ وہ اثر غفلت ہے بقرینہ '' تذکروا '' تو وہ تذکر اختیار کرتے ہیں تو علاج غفلت کا تذکر ٹھہرا ① ۔ تَذَكَّرُوا۟ کا مفعول یہاں مذکور نہیں میں اس کی حکمت تو شروع میں بیان کر چکا ہوں اب میں اس کی تعیین بتاؤں گا کہ وہ مفعول کیا محذوف ہے۔ پہلے آیت کا خلاصہ سمجھ لیجئے ! وہ یہ ہے کہ فرماتے ہیں کہ بندگان خدا کی شان یہ ہے کہ جب ان پر شیطان کا اثر ہوتا ہے یعنی غفلت پیدا ہوجاتی ہے تو وہ تَذَکُّر سے اس کا علاج کرتے ہیں۔ نتیجہ اس کا یہ ہوتا ہے کہ فَإِذَا هُم مُّبْصِرُونَ پس ناگہاں ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ اس میں گناہ کی مذمومیت ② اور اثر میں کا بھی بیان ہوگیا۔ اس طرح کہ جب علاج کا نتیجہ یہ ہوا کہ آنکھیں کھل گئیں۔ معلوم ہوا کہ گناہ سے آنکھیں بند ہوگئی تھیں اور معصیت کے تقاضے کے وقت اندھے ہو گئے تھے۔ واقعی گناہ میں یہی اثر ہے کہ آدمی تقاضے کے وقت اندھا ہوجاتا ہے، قتل تک کر گزرتا ہے حالانکہ معلوم ہے کہ پھانسی ہوگی مگر اس وقت اس سے ذہول ③ ہوجاتا ہے۔ نیز '' فَإِذَا هُم مُّبْصِرُونَ '' سے یہ بھی معنی پیدا ہوتے ہیں کہ وہ چیز فی نفسہ مخفی نہ تھی بلکہ یہ اثر جو ہوگیا تھا یہ اس کی آنکھ کا قصور ہے کہ اس میں شعاع ④ نہ رہی تھی جو اس پر پڑتی اور دیکھ لیتی تَذَکُّر سے شعاعیں پیدا ہوگئیں اور وہ آنکھوں والے ہو گئے اور وہ چیز تو اس جگہ موجود تھی ہی اب نظر آنے لگی اور امتناع عن المعصیت ⑤ اس پر مرتب ہوگیا۔

تفسیر ذکر

اور وہ چیز جو مفعول ہے تَذَکُّر کا جس کو یہاں حذف کردیا گیا ہے اب اس کی تعیین بتلاتا ہوں اس کا دوسری آیت سے پتہ چلتا ہے۔ وہ آیت یہ ہے:

وَٱلَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا۟ فَٰحِشَةً أَوْ ظَلَمُوٓا۟ أَنفُسَهُمْ ذَكَرُوا۟ ٱللَّهَ فَٱسْتَغْفَرُوا۟ لِذُنُوبِهِمْ وَمَن يَغْفِرُ ٱلذُّنُوبَ إِلَّا ٱللَّهُ وَلَمْ يُصِرُّوا۟ عَلَىٰ مَا فَعَلُوا۟ وَهُمْ

① غفلت کا علاج یاددھانی ہوا ② گناہ کی برائی اور اس کے اثر کا بیان ③ یہ بات پیش نظر نہیں رہتی ④ چمک ⑤ اس پر گناہ سے بچنے کا نتیجہ مرتب ہوگیا۔

يَعْلَمُوْنَ ① اس میں بھی متقین کی شان کا بیان ہے کہ ان کی حالت یہ ہے کہ جب ان سے کوئی گناہ ہو جاتا ہے تو وہ اللہ کو یاد کرتے ہیں اور نتیجہ اس کا یہ ہوتا ہے کہ گناہوں سے استغفار کرتے ہیں اور گناہوں کا بخشنے والا سوائے اللہ کے کون ہے؟ اور وہ اپنے اس فعل پر (جان بوجھ کر) اصرار نہیں کرتے ہیں۔ دیکھئے! اس میں صاف مذکور ہے کہ وہ یاد کرنے کی چیز کیا ہے؟ وہ بس ایک چیز ہے اللہ۔ مفسرین نے ''ذکروا اللّٰہ'' کی تفسیر کی ہے۔ ذکروا عذاب اللّٰہ کیونکہ عذاب ہی کا خوف سبب ہوتا ہے۔ استغفار اور کف عن المعصیت کا②۔ میں کہتا ہوں لفظ عذاب محذوف ماننے کی کوئی ضرورت نہیں اس میں کیا اشکال ہے کہ اللہ کو یاد کرتے ہیں یا خدا کافی ہے معصیت ③ سے روکنے کو بلکہ عذاب کا خوف اتنا مانع نہیں ہوسکتا جتنا کہ خدا کی یاد مانع ہوتی ہے ④۔ اہل بصیرت اس کو خوف سمجھتے ہیں یہ توجب ہے کہ ذات کی طرف توجہ مراد لی جاوے اور خدا کی یاد کی ایک توجیہ اور بھی ہوسکتی ہے جس میں اس یاد کی کسی نوع کی تخصیص ہی نہ رہے۔

یاد خدا کی حقیقت

وہ توجیہ یہ ہے کہ دیکھئے! خدا کی یاد کس کو کہتے ہیں؟ کیا صرف اللہ اللہ زبان سے کہنے کو کہتے ہیں؟ نہیں بلکہ خدا کی ہر بات کی یاد کو خدا کی یاد کہہ سکتے ہیں توجہ الی الذات کو بھی خدا کی یاد کہہ سکتے ہیں۔ لفظ اللہ اللہ زبان سے کہنے کو بھی خدا کی یاد کہہ سکتے ہیں اور عذاب اور دوزخ کی یاد کو بھی خدا کی یاد کہہ سکتے ہیں کیونکہ خدا نے اس کو یاد دلایا ہے اور ثواب اور نعمائے آخرت اور جنت کی یاد کو بھی خدا کی یاد کہہ سکتے ہیں۔ (اسی لیے صاحب حصن حصین نے کہا ہے کہ کل مطیع اللّٰہ فھو ذاکر ۱۲ ظ⑤ تو آیت کے یہ معنی ہوئے کہ جب ان پر شیطان کا اثر ہو جاتا ہے تو وہ خدا کو یاد کرتے ہیں یعنی خدا کی کسی چیز کو یاد کر لیتے ہیں خواہ ذات کو یاد کرتے ہیں خواہ ذکر اللہ زبان سے کرنے لگتے ہیں یا عذاب کو یاد کرتے ہیں یا ثواب اور جنت کو یاد کرتے ہیں۔ یہ اپنا اپنا مذاق ہے۔ بعضوں کو تقاضائے معصیت مغلوب کرنے کے لیے صرف ذکر اللہ ہی بالمعنی

① سورہ آل عمران: ۱۳۵ ② گناہوں سے رکنے کا ③ گناہ سے رکنے کے لیے اللہ کی یاد کافی ہے ④ عذاب کا خوف گناہ سے اتنا نہیں روکتا جتنی خدا کی یاد روکتی ہے ⑤ ہر وہ شخص جو اللہ کا مطیع ہو وہ ذاکر ہے۔

المتبادر کافی ہوتا ہے ① اور بعضوں کو عذاب کے استحضار کی ضرورت پڑتی ہے اور بعضوں کو جنت کا یاد کرنا مفید ہوتا ہے بلکہ میں یہاں تک تعمیم کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کو یاد کرنا یہ بھی اللہ ہی کی یاد ہے کیونکہ جس طرح جنت، دوزخ اللہ ہی کی چیزیں ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مذکر ہیں ② اسی طرح مقبولین وصلحاء اللہ کی چیزیں ہیں اور اس کی مذکر ہیں ③۔ چنانچہ مشاہدہ ہے کہ صلحاء کے اقوال افعال اخلاق کے ذکر سے طاعت کی رغبت اور معصیت سے نفرت ہوتی ہے ④ اور اس تعمیم سے ایک بڑا مسئلہ حل ہوا وہ یہ کہ ایک ذاکر نے مجھ سے پوچھا کہ ذکر لا الٰہ الا اللہ میں تعلیم کی جاتی ہے کہ لا الٰہ کے ساتھ سب غیر اللہ کی نفی کی جاوے تو غیر اللہ میں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی آ گئے تو مطلب یہ ہوا کہ ذاکر کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی قطع تعلق کرنا چاہیے وہ حل یہ ہے کہ غیر اللہ سے مراد وہ ہے جو حق تعالیٰ سے حاجب ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق ہادی اور موصل ⑤ ہونے کا ہے اس لیے آپ اس نفی میں داخل نہیں اور اس خاص تعلق کے سبب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر غیر اللہ کا ذکر نہیں بلکہ اللہ ہی کا ذکر ہے اور حضور کی شان تو بڑی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب یعنی شیخ کا ذکر بھی ذکر اللہ ہی ہے اس کے ساتھ تعلق پیدا کرنا اور اس کے حالات کو پڑھنا، سننا کسی کے سامنے ذکر کرنا سب ذکر اللہ ہی ہے اس میں غلو تو کرے نہیں کیونکہ جہالت کا زمانہ ہے نیز اس میں لوگوں نے بہت زیادتیاں بھی کر رکھی ہیں اس لیے اس میں اعتدال سے نہ بڑھے بلکہ لوگوں کے سامنے پیر کا ایسے عنوان سے ذکر بھی نہ کرے جس سے متوہم ہو کہ لوگوں کو کھینچ کھینچ کر پیر کی طرف لاتا ہے اور یہ قصداً کھینچ کھینچ کر لانا تو بے غیرتی کی بات ہے اس کے ایہام ⑥ سے بھی بچنا چاہیے۔ نیز بعضے لوگ ہر وقت کی چھیڑ چھاڑ سے یہ بھی سمجھیں گے کہ پیر صاحب نے گرگے چھوڑ رکھے ہیں یہ تو ایک گونہ اس کے احتیاج الی الخلق ⑦ کی صورت ہے حالانکہ وہ کسی مخلوق کا محتاج نہیں وہ تو مظہر ہے صفات حق تعالیٰ کا اور ایک صفت حق تعالیٰ کی غنی بھی ہے اس کے یہاں تو اس غنا کے سبب یہ اعلان ہے؟

---

① صرف اللہ اللہ کا ذکر ہی کافی ہوجاتا ہے ② اللہ کی یاد کا باعث ہیں ③ مقبول اور صالح لوگ بھی اللہ ہی کے ہیں جو اس کی یاد کا ذریعہ ہیں ④ بزرگوں کے حالات ذکر کرنے سے بھی گناہوں سے نفرت ہوجاتی ہے ⑤ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو ہدایت دینے والے اور اللہ سے ملانے والے ہیں ⑥ شبہ ⑦ مخلوق کا محتاج ہونے کی۔

ہر کہ خواہد گو بیاؤ ہر کہ خواہد گو برو

دارو گیر و حاجب و در بان در این درگاہ نیست ①

خیر یہ مشورہ تحرز عن الایہام ② کا تو جملہ معترضہ تھا، مضمون یہ تھا کہ جب شیخ کا ذکر اور اطاعت بھی بالکل خدا کا ذکر اور اطاعت ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تو بہت اعلیٰ اور ارفع ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر غیر اللہ کا ذکر کیسے ہوگا؟ تو یہ مسئلہ حل ہوگیا کہ لا الٰہ الا اللہ میں ماسوائے اللہ کی نفی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نفی لازم نہیں آتی۔ غرض خدا تعالیٰ کے تعلق کی چیزوں کا ذکر ذکر اللہ ہی ہے۔ اسی حدیث میں ہے ''الدنیا معلونة و ملعون مافیها الا ذکر اللہ وما والاہ''③ (جملہ والاہ میں وہ تمام چیزیں داخل ہیں جو کہ ذکر اللہ میں معین ہیں پس وہ بھی ذکر اللہ کے حکم میں ہیں ۱۲ ظ) تو ذکروا اللہ میں جنت اور دوزخ اور ذکر لسانی وغیرہ یہ سب آگئے تو کوئی ضرورت لفظ عذاب کے تخصیص ④ کی نہ رہی کیونکہ اس میں مانع کی تخصیص ہوئی جاتی ہے کہ صرف ترہیب ہی مانع عن المعصیت ⑤ ہوتی ہے حالانکہ یہ واقع کے خلاف ہے۔

اختلاف احوال

بعضوں کو ترغیب زیادہ نافع ⑥ ہوتی ہے اس لیے ذکر اللہ کو عام ہی رکھا جاوے جس میں سب داخل رہیں۔ ترغیب بھی اور ترہیب بھی اور خود یاد خدا بھی۔ چنانچہ بعضوں کی حالت یہ ہوتی ہے کہ ان کو نہ ترغیب کام دے نہ ترہیب جس پر غلبہ ہوتا ہے فناء کا اور توحید کا وہ جو معصیت سے رکتا ہے اس کو نہ جنت روکتی ہے نہ دوزخ اس کو صرف یاد خدا روکتی ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ بے حیائی کا کام باپ کے سامنے بیٹے سے نہیں ہوسکتا۔ گو اس کو یہ بھی ڈر نہ ہو کہ یہ مجھے مارے پیٹے گا۔ یہاں خوف نے نہیں روکا بلکہ باپ کی عظمت نے روکا اسی طرح بعضوں کا علاقہ خدا تعالیٰ کے ساتھ ایسا ہوتا ہے کہ جب وہ خیال کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ دیکھ رہے ہیں تو شرما جاتے ہیں اور اس وقت ان

---

① جس کا دل چاہے آئے جس کا دل چاہے جائے ہماری درگاہ میں نہ کوئی پکڑنے والا ہے نا ہی کوئی چوکیدار ② شبہ سے بچنے کا مشورہ ③ دنیا اور اس میں موجود سب چیزیں ملعون ہیں سوائے ذکر اللہ کے اور جو اس میں معین ④ عذاب کو خاص طور پر سوچنے کی ضرورت نہ رہی ⑤ کہ خوف ہی گناہ سے روکنے والا ہے ⑥ زیادہ فائدہ ہوتا ہے۔

سے معصیت① ہو ہی نہیں سکتی۔ یہاں صرف ذکر اللہ مانع ہوا② اور بعضے ایسے حیا دار نہیں ہوتے بلکہ محتاج ہوتے ہیں ترہیب③ کے۔ ان کے لیے یہی کارآمد ہے کہ تقاضائے نفس کے وقت عذاب الٰہی کو یاد کریں اور بعضے ترہیب سے متوحش④ ہوتے ہیں ان سے اگر ترغیب سے کام لیا جاوے تو رجوع ہوتے ہیں تو ان کو جنت کا ذکر چاہیے۔ بعضوں کی یہ حالت ہوتی ہے کہ احسان کا اثر ان پر بہت زیادہ ہوتا ہے اگر وہ حق تعالیٰ کی نعمتیں یاد کریں تو شرماتے ہیں احسان سے دبے جاتے ہیں ان کے واسطے حق تعالیٰ کی نعمتوں کا یاد کرنا ہی گناہ سے رکنے کے لیے طریق نافع ہے⑤ کیونکہ وہ نعمتوں کو گناہ میں استعمال کرنے سے شرماتے ہیں اور یہ واقعی شرمانے کی بات ہے جیسے کوئی گورنمنٹ کا باغی ہو اور گورنمنٹ ہی کے دیئے ہوئے ہتھیاروں سے مقابلہ کرے تو یہ اور زیادہ برائی کی بات ہے۔ ان کو یہ خیال ہوتا ہے کہ خدا کی دی ہوئی آنکھ سے اس کے حکم کے خلاف کیسے کام لیں؟ اور خدا کے دیئے ہوئے ہاتھ سے گناہ کیسے کریں؟ خدا کی بنائی ہوئی آنکھیں پھوڑ دیں اور خدا کے دیئے ہوئے ہاتھ توڑ دیں اور کہیں اور سے دوسری آنکھیں اور ہاتھ لے آئیں تب ان سے گناہ کریں آنکھ وغیرہ۔

وجود باری کی دلیل

دوسرے کے دینے پر ایک قصہ یاد آیا، میرے چھوٹے ماموں صاحب تھے جو کہ نہایت سمجھدار اور ذی علم شخص اور بہت ہی قابل تھے چونکہ پہلے لوگوں میں قناعت کا مادہ بہت تھا۔ انہوں نے سرکاری مدرسہ میں ایک معمولی مدرِّسی کر رکھی تھی۔ وہاں ایک انسپکٹر نہایت متعصب اور ملحد آ گیا، اس نے بچوں کا امتحان لیا اور ایک بچہ سے پوچھا کہ خدا کے وجود کی کیا دلیل ہے، ایک مبتدی بچہ خدا کے وجود کی دلیل کیا بتا سکتا تھا؟ یہ مسئلہ تو معرکتہ الاراء ہے۔ ماموں صاحب کو اس کی یہ حرکت نہایت ناگوار ہوئی، کہا کہ ان بچوں سے آپ ایسا سوال کرتے ہیں جو ان کو پڑھایا نہیں گیا یہ مناسب نہیں، اگر پوچھنا ہے مجھ سے پوچھئے۔ کہا آپ ہی بتلایئے! اگر بڑے علامہ ہیں۔ کہا خدا کے وجود کی دلیل یہ ہے کہ آپ موجود نہ تھے آپ کو پیدا کر دیا۔

① گناہ ② اللہ کا ذکر گناہ سے روکنے والا ہو گیا ③ ڈرانے کے ④ ڈرانے سے گھبرا جاتے ہیں ⑤ فائدہ مند۔

اس نے کہا کہ ہم کو تو ہمارے ماں باپ نے پیدا کیا ہے۔ ماموں صاحب نے کہا ان کو کس نے پیدا کیا کہا ان کے ماں باپ نے ماموں صاحب نے کہا کہ یہ سلسلہ کہیں ختم ہوگا یا نہیں؟ اگر ختم ہوگا تو تسلسل لازم آتا جو محال ہے اور اگر ختم ہو جاوے گا تو جس پر ختم ہو اسی کا پیدا کرنے والا خدا ہے۔ اس پر وہ کہنے لگا کہ ہم ان منطقی باتوں کو نہیں سمجھتے، ہم تو ایک موٹی بات جانتے ہیں کہ ہماری ایک آنکھ نہیں ہے (وہ خیر سے کانا بھی تھا) اگر خدا کا وجود ہے تو تم اپنے خدا سے کہہ کر ہماری آنکھ کو بنوا دو ماموں صاحب کے مزاج میں ذہانت کے ساتھ ظرافت بھی بے انتہا تھی آسمان کی طرف منہ اٹھا کر تھوڑی دیر تک ہونٹوں کو ہلاتے رہے جیسے کسی سے کوئی کچھ کہہ رہا ہو پھر کان لگا کر سننے لگے، جیسے کوئی جواب دے رہا ہو اور یہ اس کو سن رہے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد کہنے لگے کہ ہاں صاحب خدا سے کہا تھا، یہ جواب ملا ہے کہ ہم نے اس کی دونوں آنکھیں پیدا کی تھیں، لیکن اس نے قدر نہ کی اور ہمارا منکر ہوا اس گستاخی پر ہمیں غصہ آیا اور ہم نے اس کی آنکھ پھوڑ دی۔ اب اس سے کہو کہ جن ماں باپ نے اس کے زعم میں اس کے سارے وجود کو پیدا کیا ہے انہیں سے کہہ کر اپنے ایک جزو یعنی آنکھ کو بنوا لے۔

خدا کی شان میں گستاخی کی سزا

واقعی نہایت ہی محققانہ جواب دیا مگر ظرافت کے پیرایہ میں اس پر وہ کمبخت لاجواب اور ساکت ہو گیا لیکن غصہ اس طرح نکالا کہ معائنہ کو بہت خراب لکھا۔ اس کی اطلاع بڑے ماموں صاحب کو ہوئی، وہ بڑے اہل دل تھے۔ انہیں حق تعالیٰ کی شان میں اس کی یہ گستاخی نہایت ناگوار ہوئی اور ادھر اپنے بھائی کے نقصان کا بھی صدمہ ہوا، حق تعالیٰ سے دعا کی کہ یا اللہ! اس نے آپ کی شان میں سخت گستاخی کی ہے اور میرے بھائی پر بے جا ظلم کیا ہے اس کی آپ اس کو سزا دیں۔ چنانچہ ایک ہفتہ بھی نہ گزرنے پایا تھا کہ دفعتاً اسے ایک سخت درد اٹھا اور دفعتاً مر گیا۔

گناہ کا ارتکاب بے حیائی ہے

یہ قصہ نئی آنکھ بنوانے پر یاد آ گیا تھا اور واقعی نئی آنکھ کہاں سے بنے گی اول تو بن ہی نہیں سکتی لیکن سائنس آج کل بہت ترقی کر رہا ہے شاید کبھی کوئی ترکیب آنکھ

بنانے کی بھی نکل آوے۔ مگر یہ یاد رہے کہ وہ ترکیب ایسی ہونی چاہیے جس کا سلسلہ خدا تک نہ پہنچے نہ اس میں اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی ہوا سے کام لیا جاوے نہ اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے پانی سے نہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی کسی دوا سے غرض خدا کا تعلق کسی طرح اس کے بنانے میں قریب یا بعید بواسطہ یا بلا واسطہ نہ ہو اور یہ ناممکن ہے۔ غرض جب آنکھ اور ہاتھ نیا بنے اس وقت گناہ کرو ورنہ سخت بے حیائی ہے اور ڈوب مرنے کی بات ہے کہ اس کی دی ہوئی چیزیں اور اسی کے خلاف ان کو استعمال کیا جائے۔ اسی معنی پر ایک مورخ نے ایک باغی جماعت کی شکایت کی ہے جس کا قصہ تاریخ یمینی میں مذکور ہے۔

شجوا بها مات ال محمد① سلوا سیوف محمد بمحمد

محمد نام ایک بادشاہ صاحب کا ہے جس سے بغاوت کی گئی تھی اسی طرح اللہ تعالیٰ ہی کی تلوار اور اللہ تعالیٰ ہی کا مقابلہ۔ یہ کیسی نمک حرامی اور بے شرمی کی بات ہے۔

تو دادی ہمہ چیز من چیز تست② نیا وزدم از خانہ چیزے نخست

یہ ایسی بات ہے کہ ذرا بھی اگر کسی میں حیا ہو تو آدمی سے گناہ نہیں ہوسکتا۔ غرض اس کو بھی یاد کر کے بعض لوگ شرما سکتے ہیں تو پھر کیا ضرورت ہے کہ ذکر اللہ کو بمعنی ''ذکروا عذاب اللہ'' کے لیں۔ غرض جب کسی کو عذاب کے تذکر سے نفع ہوتا ہے اور کسی کو ثواب کے اور کسی کو احسان کے تذکرے سے لہٰذا تذکر کو بلا قید ہی رکھنا چاہیے۔

تَذَکُّر کے معنی

اب ایک دوسری بات سمجھو آیت میں تذکروا فرمایا اور اس کی کچھ حد نہیں فرمائی، سو باب تفعل تدریج کو چاہتا ہے۔ پس تذکر کے معنی یہ ہوئے کہ بتدریج تذکر میں بڑھتے چلے جائیں اور حد نہ ہونے سے اس تدریج کا قطع نہ ہونا مفہوم ہوا③۔ پس دو مسئلوں کی طرف اشارہ ہو گیا ایک تو یہ کہ اضطراب④ نہ کریں، سکون کے ساتھ چلتے

① ایک بادشاہ کا نام محمد تھا اس کی فوج نے اس سے بغاوت کی تو کسی شاعر نے یہ شعر کہا جس کا مطلب یہ ہے کہ محمد کی دی ہوئی تلواروں کو اسی کی اولاد پر تم نے سونت لیا جس سے ان کو زخمی کیا یہ کیا بے غیرتی ہے۔ اسی طرح سمجھ لو کہ اعضاء جسمانی اللہ پاک کی دی ہوئی تلواریں ہیں ان کو اس کی معصیت میں استعمال کرنا انتہائی بے غیرتی ہے ② ''ہم اپنے گھر سے کچھ نہیں لاتے ہمارے پاس جو کچھ بھی ہے وہ سب آپ ہی کا عطیہ ہے'' ③ اللہ کی یاد کی کوئی حد نہ ہونا معلوم ہوا ④ جلدی نہ مچائیں۔

رہیں، دوسرا یہ کہ سلوک کو کہیں ختم نہ کریں ہمیشہ چلتے ہی رہیں اس میں سالکین دو غلطیاں کرتے ہیں ایک اضطراب دوسری اس سے بڑھ کر انقطاع یعنی کسی مقام پر پہنچ کر ٹھہر جاتے ہیں اور قناعت کر لیتے ہیں۔ مثلاً حضور قلب حاصل ہو گیا اور مجاہدہ کرنے سے یہ ملکہ پیدا ہو گیا کہ جب چاہیں خیال کو ایک طرف کر لیں تو بس حضور قلب کو چھوڑ بیٹھے اس اعتماد پر کہ ہم کو قدرت تو حاصل ہے ہی۔ کیوں صاحب وہ قدرت کس کام کے لیے حاصل ہوتی ہے قوت سے فعل میں لانے کے لیے یا فقط دل کو سمجھانے کے لیے یہ خوب بات ہے کہ بھوکے کے پاس کھانا آ جاوے تو وہ یہ سمجھ کر بیٹھ رہے کہ کھانا آ تو گیا ہے جب چاہیں گے کھا لیں گے اور اس کو کھائے نہیں تو اس شخص میں اور اس شخص میں کیا فرق ہے جس کے پاس کھانا نہیں آیا۔ یہ بھی بھوکوں مر رہا ہے اور وہ بھی بھوکوں مر رہا ہے جب یہ ملکہ حاصل ہو گیا تو اس سے کام کیوں نہیں لیتے۔ مقصود صرف ملکہ حاصل ہو جانا نہیں ہے۔ مقصود تو حضور قلب ہے یہ ملکہ کس روز کام آوے گا کیا مرنے کے بعد اس سے کام لو گے بلکہ اس صورت میں حجت اللہ ① اور زیادہ قائم ہے اور باز پرس ہو سکتی ہے کہ جب یہ قدرت حاصل تھی تو نماز میں قلب کو حاضر کیوں نہیں کیا۔ حضور قلب کا ملکہ حاصل ہو جانا فقط دل کے سمجھانے کے لیے تو نہیں ہے بلکہ اس کا گاہ گاہ ② ہونا بھی قابل شمار نہیں وہ تو ایسا حضور ہو گا جیسے ایک طالب علم کا قصہ ہے کہ ایک گاؤں میں وعظ کہا اور بے نمازیوں کی مذمت کی اور اس میں بہت تشدد کیا اس پر گاؤں والے بہت بگڑے اور واعظ صاحب کو مارنے پیٹنے کے لیے تیار ہو گئے اور ان سے باز پرس کی۔ آخر طالب علم تھے انہوں نے ایک تاویل کی جس سے ان کا جوش فرو ہو گیا کہا کہ کبھی عید بقر عید کی بھی نماز تم لوگوں نے پڑھی ہے؟ کہا ہاں، عید بقر عید کی تو ہمیشہ پڑھتے ہیں کہا پھر تم بے نمازی کہاں رہے، بے نمازی تو وہ ہے جس نے کبھی کوئی نماز نہ پڑھی ہو بس اس سے ان لوگوں کا من سمجھوتہ ③ ہو گیا اور اپنے خیال میں نمازی بن گئے۔ ایسے ہی اہل سلوک بھی غلطی کرتے ہیں کہ کسی عمل کے احیاناً ④ ہو جانے کو یا اس کا ملکہ حاصل ہو جانے کو کافی سمجھ

---

① تمہارے خلاف اللہ کی دلیل قائم ہو جائے گا ② کبھی کبھی ہونا ③ دل کو سمجھا لیا ④ کبھی ہو جانے کو۔

لیتے ہیں جب کسی سے کہا جاتا ہے کہ فلانے گناہ سے بچے رہو مثلاً غصہ میں بیہوش نہ ہو اور اس کی تدبیر یہ ہے کہ خوف خدا کو پیش نظر رکھو اور عذاب الٰہی کو یاد کرو اور غصہ کے وقت سمجھو کہ میں بھی کسی کی مخالفت کرتا ہوں وہ بھی مجھ پر غصہ کرسکتا ہے تو دل میں خوش ہوتے ہیں کہ ہم کو تو ترکیب آتی ہے اور ہم کو اس سے بچنا مشکل نہیں اور اس ترکیب کے جاننے ہی پر قناعت کیے بیٹھے رہتے ہیں اور اس کو قوت سے فعل میں نہیں لاتے سو ایسے لوگ وقت پر ہمیشہ دھوکہ کھاتے ہیں۔ مثلاً جب کبھی غصہ کا موقع ہوگا تو ان کو یہ یاد ہی نہیں رہتا کہ وہ غصہ دبانے کی ترکیب کیا تھی۔ ترکیب آتی ہے تو کب کرو گے؟ بعد موت کے سو! تَذَکَّروا کے غیر محدود ① ہونے سے یہ معنی مفہوم ہوئے کہ ہمیشہ جب موقع ہو تو تذکر کیا کرو اور اس میں ترقی کرتے جاؤ۔ غرض ترکیب تقاضائے نفس کو مغلوب کرنے کی یہی ہے کہ جب گناہ کا خیال آوے تو خدا کو یاد کرو یا عذاب خدا کو یاد کرو یا ثواب کو یاد کرو یا حق تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو یا حقوق الٰہی کو یاد کرو اور ذرا دیر سوچو۔ بس سوچنا ہوگا اور تقاضا رفع ہو جاوے گا۔ یہ ایسے کام کی بات میں نے بتائی ہے کہ اس کی قدر سالک کو وقت پر معلوم ہوگی۔

تحقیق ناتمام

پھر اس تدبیر کو ہمیشہ مستحضر ② رکھنے کی اور اس سے بار بار کام لینے کی ضرورت ہے، یہ نہیں کہ تھوڑی روز کی مشق کو کافی سمجھ گئے اور استحضار کا قصد چھوڑ دیا اکثر لوگ اس میں یہی غلطی کرتے ہیں اس طرح کہ کسی خلق مذموم ③ کے لیے مجاہدہ کیا اور سال بھر تک اس کی قصد سے حفاظت رہی بس ہم سمجھ بیٹھے کہ ہم کو ملکہ حاصل ہو گیا اور وہ خوش ہیں کہ اس خلق کی تکمیل ہوگئی اور اس سے بڑھ کر یہ غلطی کی جاتی ہے کہ سمجھ جاویں کہ ہم عارف کامل ہو گئے اور اب ہم کو کسی دوسرے کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت نہیں رہی حالانکہ یہ ابھی عارف نہیں ہوئے اور کسی عارف کامل کی طرف ان کو رجوع کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ ہر عمل میں بہت سے شعبے ہوتے ہیں ان کا علم بار بار موقع پر نگرانی

① تذکر کی کوئی حد بیان نہ کرنے سے یہ بات سمجھ میں آئی کہ ہمیشہ جب موقع ملے یاد الٰہی میں مشغول ہوجائے ② پیش نظر ③ بری عادت ترک کرنے کے لیے مجاہدہ کیا۔

کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ ایک دو دفعہ کامیاب ہونے اور حفاظت رہنے سے عرفان حاصل نہیں ہوتا۔ اسی طرح نرے ذکر و شغل سے بھی کمال حاصل نہیں ہوتا ذکر شغل کتابوں میں بہت لکھے ہیں تو چاہیے ان کو دیکھ کر ہر شخص عارف بن جاوے مگر ایسا نہیں ہوسکتا، محقق کی ضرورت ہے اور عامل کی جس نے خود بار بار موقعوں پر مجاہدے کر کے بصیرت حاصل کی ہو اس کی تعلیم سے نفع ہوتا ہے اور اگر وہ خود محقق اور عامل نہیں تو اس کی تعلیم میں برکت نہیں ہوتی یہ شخص جس کو چند روز تک کامیابی ہوئی ہے اور کچھ عرصہ تک وہ غلطی سے محفوظ رہا ہے وہ ابھی محقق نہیں ہوا اسی وجہ سے یہ غلطی کرتا ہے کہ اپنے آپ کو عارف سمجھ لیتا ہے اور اس پر اس کے علاوہ ایک اور آفت آتی ہے۔ وہ یہ کہ اگر ایک موقع پر تقاضا گناہ کا ہو یا کسی طاعت میں سستی ہوئی تو شیطان کہتا ہے کہ اتنے دنوں کے مجاہدہ سے کیا ہوا جب موقع پڑا تو کامیابی نہیں ہوئی چونکہ یہ ابھی محقق ہوا نہیں اس لیے ناتجربہ کاری سے اور طریق کے نشیب و فراز نہ جاننے سے بددل ہو جاتا ہے اور کام چھوڑ بیٹھتا ہے اور شیخ کی شکایت قلب میں پیدا ہوتی ہے کہ شیخ نے میری تکمیل نہیں کی یا حق تعالیٰ کی شکایت پیدا ہوتی ہے کہ اتنا مجاہدہ کیا مگر کچھ بھی اعانت نہیں ہوئی یا اپنی طرف یہ گمان پیدا ہوتا ہے کہ میں مردود ہوں میں کسی قابل ہی نہیں ہوں اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کبھی شیخ سے بغض پیدا ہو جاتا کبھی جان سے تنگ ہو جاتا ہے اور بسا اوقات خودکشی کر بیٹھتا ہے۔ یہ ایک مرحلہ ہے جو بعض وقت سالکین کو پیش آتا ہے۔ بات آسان تھی مگر نہ جاننے سے یہ سب کچھ ہوا۔ بات یہ ہے کہ انہوں نے محض عرفان ہی کو کافی سمجھ لیا حالانکہ دو چیزوں کی ضرورت ہے، علم حقائق اور عمل اور ان دونوں میں نسبت بنیاد اور تعمیر کی سی ہے۔ علم حقائق بنیاد ہے اور عمل تعمیر ہے نہ نری بنیاد بلا تعمیر کے کارآمد ہے کہ دھوپ سے سایہ دے یا بارش وغیرہ سے بچاوے، اور نہ صرف تعمیر بلا بنیاد کے قائم رہ سکتی ہے بلکہ دونوں کو ملنے سے مکان بنتا ہے۔ یہ شخص بلا تحقیق اپنے آپ کو عارف اور کامل سمجھ بیٹھا حالانکہ ابھی تحقیق اس کی ناتمام ہے۔

نفس کی شائستگی

اس سے یہ اخیر کی غلطی اس وجہ سے ہوئی کہ اس نے یوں سمجھا کہ مجاہدہ سے

مادہ گناہ کا جاتا رہا جبھی تو پھر تقاضا ہونے سے یہ خیال ہوا کہ مجاہدہ بیکار رہا کیونکہ ابھی تو مادہ موجود ہے اور شکایتیں پیدا ہوئیں، خوب سمجھ لیجئے کہ مجاہدہ سے مادہ نہیں جاتا بلکہ تقاضے کا غلبہ جاتا رہتا ہے۔ اس کی ایسی مثال ہے کہ ایک گھوڑا تعلیم دیا ہوا ہے اور ایک بے تعلیم ہے تعلیم دیا ہوا شائستہ بیشک ہوتا ہے مگر شائستہ کے معنی یہ نہیں کہ اس میں شرارت کا مادہ جاتا رہتا ہے بلکہ یہ معنی ہیں کہ اس کا رام کرنا بہ نسبت غیر تعلیم یافتہ کے سہل ① ہوتا ہے یوں وہ بھی کبھی شرارت کرتا ہے حتیٰ کہ کھڑا بھی ہو جاتا ہے اس کو دیکھ کر سوار کو مایوس نہ ہونا چاہیے۔ آخر گھوڑا ہے وہی گھوڑا ہے جو پہلے تھا۔ ہاں! اتنا فرق ہو گیا ہے کہ اب آسانی سے قابو میں آسکتا ہے اور پہلے ایسا نہ تھا ایسے ہی نفس ہے کہ مجاہدہ کرنے سے شائستہ ہو جاتا ہے یعنی اس کا قابو میں کرنا سہل ہو جاتا ہے لیکن یہ نہیں ہوتا کہ اس میں سے مادہ ہی شرارت کا نکل جاوے بس فرشتہ ہو جاوے کیونکہ انسان مجاہدہ کے بعد بھی انسان ہی رہتا ہے۔ مجاہدہ سے تبدل حقیقت نہیں ہوتا کہ انسان سے فرشتہ ہو جاوے جس میں مادہ شرارت بالکل نہ رہے بلکہ مجاہدہ سے اصلاح ہو جاتی ہے جیسے فصد ② سے خون فاسد کی اصلاح ہو جاتی ہے فصد کے یہ معنی تو نہیں کہ سارا خون نکل جاتا ہے بلکہ جوش خون دب جاتا ہے خوب سمجھ لو!

مجاہدہ کا فائدہ

اس سے یہ بھی نتیجہ نکلتا ہے کہ آدمی کیسا ہی مجاہدہ کر چکا لیکن نفس کو مردہ نہ سمجھے اور اس کے مکائد ③ سے کبھی غافل نہ رہے۔

نفس اژدہا ہست او کے مردہ است از غم بے آلتی افسردہ است ④

اس سے غافل بھی نہ ہو اور مجاہدہ کو بیکار بھی نہ سمجھے اس سے شرارت کا مادہ نہیں جاتا رہا۔ ہاں ریاضت ⑤ سے اس مادہ کو ابھار نہیں ہوتا اور اگر کبھی ابھرتا ہے تو ذرا سے اشارہ سے دب جاتا ہے۔ غرض یہ غلطی کی بات ہے کہ کسی وقت اس کی شرارت دیکھ کر مجاہدہ کو بیکار

---

① آسان ② پچھنے لگوانے سے ③ مکروں سے ④ ''نفس اژدھا ہے وہ نہیں مرا بے سروسامانی کے خوف سے وہ مردہ ہو رہا ہے'' ⑤ مشق کرنے سے۔

سمجھے۔ سالک کو چاہیے کہ مایوس نہ ہووے، پس سمجھ لے کہ اس مادہ کو حرکت ہوئی ہے اور اس کا علاج کرے تجربہ کر کے دیکھ لو کہ مجاہدہ کے بعد جب نفس میں نگاہ بد کا تقاضا پیدا ہو تو نگاہ کو روکو! ان شاء اللہ دیکھو گے کہ آج اس کے روکنے میں پہلے کی سی بے چینی نہ ہوگی جیسی پہلی ہوئی تھی اور آسانی سے قادر ہو جاؤ گے۔ یہ نتیجہ اسی مجاہدہ کا ہے تو مجاہدہ کو بیکار کیسے سمجھ لیا؟۔ یہاں سے اس کا بھی جواب ہو گیا کہ جب بعد مجاہدہ کے بھی کف عن المعصیۃ ① کا مدار اپنے روکنے ہی پر رہا تو مجاہدہ کا کیا فائدہ ہوا؟ وہ جواب یہی ہے کہ فائدہ کی تفسیر زوال مادہ نہیں ہے۔ کیا یہ فائدہ نہیں ہے کہ اس کے جوش کے روکنے میں سہولت ہوگئی؟ یہی تو بڑا فائدہ ہے بلکہ فائدہ اسی میں منحصر ہے کیونکہ اگر مادہ کا زوال ہو جاوے تو کف عن المعصیۃ اختیار قصہ ② سے نہ رہے گا پھر اس پر اجر و ثواب بھی نہ ہوگا کیونکہ اجر و ثواب فعل اختیاری پر ہوتا ہے اور جو خرابیاں کہ زوال مادہ پر مرتب ہوتی ہیں وہ الگ رہیں۔ وہ یہ کہ حرکت ہی تو ایسی چیز ہے جو باعث ہوتی ہے طاعات کی بھی جب حرکت نہ رہی تو آدمی جماد محض ③ ہو گیا تو طاعات بھی کیسے ہوں گی۔ انسانی کمالات جبھی حاصل ہو سکتے ہیں کہ حرکت باقی ہو اور اس کے ساتھ بے موقع حرکت کو روکنے کی بھی قدرت ہو، اب سمجھ میں آگیا ہوگا کہ ریاضت ④ بیکار چیز نہیں بلکہ ضروری چیز ہے مگر نتیجہ اس کا یہ نہیں کہ مادہ سلب ہی ہو جاوے ⑤ ہاں مغلوب ہو جاتا ہے اور یہی فضیلت کی بات ہے کہ مادہ موجود ہو لیکن غالب نہ آنے پائے ورنہ دیوار کو زیادہ فضیلت ہوگی انسان پر۔

متقی کا گناہ

خود اس آیت سے بھی میری اس تقریر کا ثبوت ملتا ہے کہ مجاہدہ سے مادہ کا قطع نہیں ہو جاتا کیونکہ آیت میں صاف موجود ہے کہ تقویٰ کے بعد بھی مس شیطان ہو جاتا ہے۔ فرماتے ہیں: ''إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ ⑥ یعنی متقیوں پر بھی یہ مس واقع ہوتا ہے مگر فرق ہوتا ہے۔ اس مس میں اور اس مس میں جو غیر متقین پر واقع ہوتا

---

① گناہ سے رکنے کا مدار ② گناہوں سے روکنا اپنے اختیار سے نہیں ہوگا ③ پتھر ہی بن گیا ④ مشق ⑤ گناہ کا مادہ ہی ختم ہو جائے ⑥ متقین لوگوں پر اس گروہ کا مس واقع ہوتا ہے۔

ہے۔ غیر متقین اس سے متاثر ہو جاتے ہیں اور شیطان کے پیچھے ہو لیتے ہیں اور متقین پر یہ اثر ہوتا ہے کہ **تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُمْ مُّبْصِرُونَ** یعنی وہ فوراً چونک اٹھتے ہیں اور صاحب بصیرت ہو جاتے ہیں۔ دیکھئے! کتنا بڑا فرق ہے۔ ڈاکو ایک اناڑی اور غافل پر چھاپہ مارتے ہیں تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سب مال واسباب لوٹ کر لے جاتے ہیں بلکہ اس کو بھی مار کر ڈال دیتے ہیں یا باندھ کر لے جاتے ہیں اور کبھی ایک کارکردہ اور تجربہ کار اور ہوشیار پر چھاپہ مارتے ہیں تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے ک اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے، غل تو مچ جاتا ہے اور تماشائیوں کا مجمع ہو جاتا ہے لیکن اس کی ذات کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچتا بلکہ یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ وہ ہوشیار ہو کر پھر سے چوکی کو اور درست کر لیتا ہے بلکہ کبھی ڈاکوؤں کو بھی باندھ لیتا ہے چھاپہ مارنا دونوں جگہ ہوا اگر اثر میں فرق ہے۔ اسی طرح فرق ہے متقین پر مس شیطان کے اثر میں اور غیر متقین پر اثر میں اور اس آیت میں تو مس شیطان کو مجملاً ہی بیان فرمایا ہے اور اس کے کسی خاص اثر کا بیان نہیں کیا کہ اس مَس سے کچھ اثر بھی ہوتا ہے یا نہیں۔

متقین پر شیطان کا اثر

بس اتنا ہے کہ مس شیطان متقین کو بھی ہوتا ہے مگر ایک دوسری جگہ اس اثر کے بعض افراد کی تعیین بھی فرمادی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: "**وَإِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ**" یہ آیت بھی متقین کی شان میں ہے ترجمہ یہ ہے کہ جب ان کو غصہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں یہاں مس شیطان کا ایک اثر غضب مذکور ہے کہ جب ان کو غصہ آتا ہے جو شیطان کا اثر ہے تو وہ شیطان کے کہنے پر عمل کر کے مقتضائے غضب پر عمل نہیں کرتے بلکہ معاف کر دیتے ہیں۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ متقین کو غصہ بھی آجایا کرتا ہے کیونکہ اذا اور ان میں فرق ہے۔ اذا یقینیات پر آتا ہے اور ان محتملات پر اور یہاں لفظ **اذا** لایا گیا ہے تو معنی یہ ہوئے کہ متقین کو بھی غصہ آنا غالب ہے مگر اثر اس کا یہ ہوتا ہے کہ وہ مغلوب نہیں ہوتے بلکہ معاف کر دیتے ہیں غصہ مس شیطان کا ایک فرد ہے اس آیت میں اس کی تصریح ہوگئی۔ دیکھئے صاف معلوم ہوتا ہے کہ غصہ کا بالکل جاتا رہنا مطلوب ومحمود نہیں بلکہ متقین کی شان یہ ہے کہ ان میں غصہ بھی ہوتا ہے مگر اس کے مقتضا پر عمل نہیں ہوتا۔

غصہ ہونے کے فوائد اور مواقع

وہ بات صحیح ہوئی کہ مادہ کا بالکل ازالہ مطلوب نہیں ہاں اس کو مغلوب کر لینا چاہیے اور اس میں بہت سی مصلحتیں ہیں۔ مثلاً اگر غصہ بالکل جاتا رہے تو ہزاروں خرابیاں پیدا ہو جاویں، آدمی دیوث ① ہو جاوے کہ اپنی عورت کے پاس دوسرے مرد کو دیکھ کر بھی اس کو غیظ نہ پیدا ہو۔ یہ غصہ ہی ہے کہ آدمی ایسے موقع پر جان دے دیتا ہے اور اس پر فخر کرتا ہے کہ میں ایسا بہادر ہوں اسی طرح اور بہت سی خرابیاں ہیں جو غصہ نہ رہنے کی صورت میں پیدا ہو سکتی ہے۔ حق تعالیٰ کی تعلیم عجیب ہے اور فطرت سلیمہ کے مطابق ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ فطرت اس کے موافق ہو جاوے تو سلیم ہی فرماتے ہیں: وَالْکَاظِمِین الغیظ ② یہ بھی متقین کی شان ہے معنی یہ ہیں کہ وہ غصہ کو دبا لیتے ہیں۔ الفاقدین الغیظ ③ نہیں فرمایا جس کے معنی یہ ہوئے کہ ان میں غصہ نہیں ہوتا۔ معلوم ہوا کہ غصہ انسان میں ہونا چاہیے ہاں ! اس کے ساتھ کظم ④ کی قوت بھی ہونی چاہیے کہ اس پر غالب رہے۔ مثال اس کی موٹر کی سی ہے کہ اس کے اسٹیم کا ٹھنڈا ہونا مطلوب نہیں، اسٹیم تو پوری قوت کا ہونا چاہیے ہاں اس کو اعتدال کے ساتھ چلانے کی ترکیب بھی ہونی چاہیے، اگر ٹھنڈا ہو جاوے تو بیکار رہے۔ دوسری مثال پہلوان کی ہے کہ اس کے ظلم و زیادتی کم کرنے کی تدبیر یہ نہیں ہے کہ اس کی طاقت بالکل سلب کر لی جاوے بلکہ تدبیر یہی ہے کہ اس کے افعال میں اعتدال پیدا کر دیا جاوے۔ جوش ہو اور قوت کو اعتدال کے ساتھ خرچ کیا جاوے۔ غرض ہر چیز اپنے مصرف میں صرف ہو تو محمود اور مفید ہے پس اپنے محل میں غصہ بھی اچھا اور بخل بھی اچھا۔ غرض یہ غلطی ہے کہ مجاہدہ کا اثر یہ سمجھا جائے کہ معصیت کا مادہ ہی سلب ⑤ ہو جائے۔

تدبیر اصلاح

اور یہ تحقیق مذکور آدمی کو اس وقت حاصل ہوتی ہے جبکہ بارہا زک اٹھائی ہو اور کامل استاد نے اس وقت رہبری کی ہو۔ تحقیق صرف کتابیں پڑھ لینے بلکہ ایک دو دفعہ

---

① بے غیرت ② غصہ کو پی جاتے ہیں ③ غصہ بالکل ختم ہی ہو جاتا ہے نہیں فرمایا ④ غصہ قابو کرنے کی قوت ⑤ گناہ کا مادہ ہی ختم ہو جائے۔

کامیاب ہو جانے سے بھی حاصل نہیں ہوتی۔ اسی کو میں نے کہا تھا کہ عارف بننے کے لیے ضرورت ہے علم حقائق کی اور عمل کی اور یہ علم حقائق اور عمل حاصل ہوتا ہے کسی کامل کی صحبت سے اور مہارت ہوتی ہے بار بار کے تذکر سے یہی معنی ہیں تذکر میں تدریج ہونے کے۔ پس بتدریج دین کے تمام شعبوں کو حاصل کرنا چاہیے اور ہر قسم کی اصلاح کرنا چاہیے اور تدبیر اصلاح کی یہ ہے کہ عقائد تو مطلقاً سب درست کر لیے جاویں اور احکام میں سے جو اپنی ضرورت کے ہوں ان کو معلوم کر کے واجبات وفرائض کا اہتمام کیا جاوے اور معاصی سے بچا جاوے اور اخلاق باطنہ اور ملکات کو بجائے ازالہ کے ان کے مصرف میں صرف کیا جاوے اگر بخل اور امساک کو اپنے اپنے مصرف میں صرف کیا جاوے تو دونوں چیزیں محمود ہوں گی۔

اے بسا امساک از انفاق بہ　　　مال حق راجز با مرحق مدہ①

غلبہ تقویٰ

اس تحقیق کی بنا اس پر ہے کہ مادہ شر کا سلب② مطلوب نہیں ہے بلکہ اس پر غلبہ حاصل کر لینا مطلوب ہے جس سے وہ اعتدال پر رہے اور یہی کمال ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے اس آیت میں یہ نہیں فرمایا کہ تقویٰ کے بعد مس شیطان ہی نہیں ہوتا اور ان کو معصیت کا خیال ہی نہیں آتا بلکہ ''**تذکروا**'' فرمایا، کیا معنی؟ کہ وہ سنبھل جاتے ہیں اور ہوشیار ہو جاتے ہیں حاصل یہ کہ مس تو ہوتا ہے مگر اس مس کو قیام نہیں ہوتا اور اس مس کرنے والی چیز کو طائف سے تعبیر فرمایا اس کے معنی ہیں گرد پھرنے والا یعنی آیا اور بھاگ گیا۔ بس متقی کی حالت تو یہ ہے کہ وساوس اس کے دل میں جمتے نہیں اور غیر متقی کی حالت یہ ہوتی ہے کہ اس کے دل میں وہ خیالات جمتے ہیں اور طائف کا ترجمہ جو میں نے گرد پھرنے والا کیا اس میں ایک اور اشارہ بھی ہے کہ اس کو قدرت آس پاس ہی پھرنے کی ہے قلب کے اندر نہیں جا سکتا یہ ایسا ہے جیسے ایک شاعر نے کہا ہے:

عذل العواذل حول قلب التائه　　　وهوى الاحبته منه في سودائه③

---

① ''اے طالب بہت مرتبہ خرچ نہ کرنا بہتر ہوتا ہے خرچ کرنے سے حق تعالیٰ کے مال کو سوائے امر حق کے اور کہیں خرچ نہ کرو''۔ ② برائی کے مادہ کو ختم کر دینا مطلوب نہیں ③ ''ملامت گروں کی ملامت قلب کے ارد گرد ہے اور محبوب کی محبت سودائے قلب میں ہے''

یہ حالت تو وساوس کی ہے اور تقویٰ کی شان یہ ہے کہ وہ اندرون قلب میں جاگزیں ہوتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے الا ان التقوی هٰهُنَا وَاَشَارَ إِلٰى صَدْرِه ① یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تقویٰ یہاں ہے اور سینہ کی طرف اشارہ کیا یعنی قلب کے اندر ہے اور طائف کے معنی آس پاس پھرنے والے کے ہیں تو آیت اور حدیث کو ملا کر یہ بات ثابت ہوگئی کہ متقی کے دل میں تقویٰ ہی کا غلبہ ہوتا ہے اور شیطان اندر نہیں جا سکتا اسمیں شیطان کے ضعیف ہونے کو بیان فرمایا اور سالک کو تسلی دی کہ اے قلعہ دار ڈرنا نہیں، خندق کے باہر ہی شیطان ہے اسی واسطے عارف شیطان کی بالکل پروا نہیں کرتا۔ حتیٰ کہ اس کے دفع کی طرف بھی زیادہ ② التفات نہیں کرتا۔

بزرگوں کا حال

ایک بزرگ کا واقعہ ہے کہ جب وہ اعوذ باللہ پڑھتے تو شیطان کو مخاطب کر کے کہتے کہ چونکہ شریعت کی تعلیم ہے ایسے موقع پر اعوذ پڑھنے کی اس واسطے پڑھتا ہوں تیرے ڈر سے نہیں پڑھتا، تجھ سے کیا خوف۔ قرآن شریف میں موجود ہے: ’’إِنَّهُۥ لَيْسَ لَهُۥ سُلْطَٰنٌ عَلَى ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ‘‘ کہ شیطان کو کسی قسم کی قدرت اور اختیار نہیں۔ ایمان والوں پر بلکہ عارف کو بعض وقت بجائے نقصان کے شیطان سے الٹا نفع پہنچ جاتا ہے۔ ’’عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد‘‘③ اور شیطان گو بڑا ہی عاقل اور تجربہ کار ہے مگر کبھی اس سے غلطی بھی ہو جاتی ہے وہ اس لالچ سے کہ انسان اس کے کہنے میں آجاوے گا، بہکاتا برابر ہے کبھی اس سے نہیں چوکتا مگر کبھی اس کو دھوکہ ہو جاتا ہے کہ کسی کو خوب بہکایا اور اس میں بڑا وقت صرف کیا اور اس میں ایسا مشغول ہوا کہ اور کاموں سے رہ گیا اور یہاں اس شخص کو جس پر اتنی محنت کی تھی تذکر ہو گیا بس ساری محنت ضائع گئی بلکہ اتنا اور نقصان پہنچا کہ وہ شخص مقتضائے ’’فَإِذَا هُم مُّبْصِرُونَ ‘‘④ کے اور صاحب بصیرت ہو گیا اور آئندہ کو بھی اس کے فریب میں آنے کی امید کم ہوگئی اس وقت شیطان پچھتاتا ہے کہ وہ ایسا نہ کرتا تو اس وقت اور کاموں سے بھی نہ

---

① الصحیح المسلم کتاب البر والصلۃ: ۳۲ سنن الترمذی: ۱۹۲۷ مسند احمد ۲: ۲۷۷ ② دور کرنے کی طرف بھی زیادہ توجہ نہیں دیتا۔ ③ اگر خدا چاہے تو کبھی دشمن سے بھی خیر حاصل ہو جاتی ہے ④ پس اس وقت ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔

رہ جاتا اور آئندہ کو اس سے امید تو مغالطہ میں آنے کی رہتی اور ہمت اس کی ٹوٹ جاتی ہے مگر بے حیا ہے کہ پھر تھوڑی دیر میں آتا ہے اور گو کامیابی کی امید نہیں مگر پھر بھی اپنا کام کرتا ہی ہے ہمت میں تو شیطان استاد بنانے کے قابل ہے کہ تھکتا ہی نہیں۔

حکمائے اسلام

اور اہل اللہ نے اس سے بھی کبھی کام لیا ہے کہ برے شخص میں کوئی کمال دیکھ کر اس سے سبق حاصل کیا۔ چنانچہ ایک بار حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا کہ ایک شخص کو سولی پر چڑھایا گیا، پوچھا کیا جرم ہے؟ کہا گیا اس نے ایک دفعہ چوری کی تو حسب حکم شرع اس کا ہاتھ کاٹا گیا مگر یہ باز نہیں آیا اور دوبارہ چوری کی تو اس کا پیر کاٹ دیا گیا۔ اس نے پھر چوری کی تو حاکم نے غصہ میں آکر سیاستاً سولی پر چڑھانے کا حکم دیدیا۔ یہ شخص کس قدر تو برا تھا مگر حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے پاؤں چوم لیے کسی نے پوچھا کہ آپ ایسے بدآدمی کے پاؤں چومتے ہیں کہا اس کے پاؤں نہیں چومتا اس کی ہمت کے پاؤں چومتا ہوں اس نے یہ کر کے دکھلا دیا کہ

دست از طلب ندارم تا کام من برآید ... یا تن رسمہ بجاناں یا جان ازتن برآید ①

سولی پر چڑھ گیا مگر اپنا کام نہ چھوڑا، الفاظ پرست معقولی تو کہتے ہیں کہ سارق بلاسرقہ ② کے نہیں پایا جا سکتا تو گویا حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے ہمت سارق قید سرقہ کے پاؤں چومے ③ مگر یہ لوگ الفاظ کے ایسے پابند نہیں ان کی نظر لفظی جھگڑوں پر زیادہ نہیں پڑتی۔ یہ اعتبار قید کو مقید سے الگ بھی کر لیتے ہیں چنانچہ انہوں نے سارق میں سے سرقہ کی قید نکال ڈالی اور اپنا مطلب نکال لیا اور الفاظ پرست لفظی جھگڑوں ہی میں رہے ان کے نزدیک اس کے پیر چومنا گویا چور کے پیر چومنا ہیں اور پیر چومنا چوری کی تعظیم کرنا اور اس کے ساتھ اور جانیں کیا کیا سمجھ لیا ہوگا جس سے جو چاہیں فتویٰ لگا سکتے ہیں مگر یہ سب الفاظ ہی الفاظ ہیں۔ حقیقت کا اس میں پتہ بھی نہیں جس کے فلسفی مدعی ہیں اور یہ

---

① ’’جب تک میرا مقصد پورا نہ ہوا میں طلب سے باز نہیں آوں گا، یا تو جسم محبوب حقیقی کی طرف پہنچے یا جان جسم سے نکل جائے‘‘ ② جب تک چوری نہ کرے سارق یعنی چوری کرنے والا نہیں کہا جا سکتا ③ چوری کرنے پر جو ثابت قدم رہا کہ جان دیدی اس ہمت کی وجہ سے اس کے پاؤں چومے۔

لوگ یعنی عارفین لفظی بحث چھوڑ کر سید ھے حقیقت پر پہنچتے ہیں۔ حقیقی فلسفی یہ ہیں خود افلاطون کو جو مسلم فلسفی ہے کسی نے خواب میں دیکھا اور چند فلسفیوں کے نام لیے کہ کیا یہ فلسفی ہیں۔ اس نے سر ہلا یا پھر اس نے حضرت بایزید وغیرہ حکمائے اسلام کے نام لیے تو اس نے کہا'' اولئك هم الفلاسفة حقا'' کہ یہ ہیں سچے فلسفی واقعی فلاسفہ اپنے منہ میاں مٹھو بن جاویں مگر جس چیز کے وہ مدعی ہیں یعنی حقیقت شناسی کے اس سے ان کو مس بھی نہیں ①۔ حقیقت شناس یہ لوگ ہیں کیسی قید اور کیسا مقید بری سے بری چیز میں بھی اگر ذرہ برابر بھی خیر اور کام کی بات ہو تو وہ ان کی نظر سے نہیں چھپ سکتی (فقہا نے نے بھی اس کو سمجھا ہے چنانچہ مسافر عاصی ② کے لیے حنفیہ رخصت قصر و افطار کے قائل ہیں یہاں مسافر کو صفت معصیت سے الگ کر کے مستحق رخصت بنا دیا۔ علی ہذا صوم یوم النحر ③ کو صحیح علی الکراہت کہتے ہیں وغیرہ وغیر ۱۲ ظ) آدمی حقیقت شناس ہو تو شیطان سے بھی اچھی بات حاصل کر سکتا ہے مثلاً یہی کہ وہ اگر سو جگہ دھوکہ کھاوے اور بہکانے میں کامیاب نہ ہو بلکہ بجائے نقصان پہنچانے کے غلطی سے موجب نفع بن جاوے جو اس کے مقصود کے خلاف ہے مگر ہمت نہیں ہارتا اور اپنے کام سے تھکتا نہیں یہ سبق اس سے حاصل کر لیا جاوے تو کیا حرج ؟۔

شیطانی دھوکہ

اور وہ شخص عارف ہے جس کو شیطان سے نقصان نہیں پہنچتا بلکہ بعضے وقت نفع پہنچ جاتا ہے اس لیے وہ اس سے مطلق نہیں ڈرتے کیونکہ جانتے ہیں کہ اس کو یہ قابو حاصل نہیں ہے کہ اس کو زبردستی کھینچ کر شر کی طرف لے آوئے، قلب کے باہر باہر رہتا ہے اس کا صرف اتنا اختیار ہے کہ انسان کو بلاتا ہے شر کی طرف بس انسان اس کے ساتھ ہو لیتا ہے پھر شیطان کا سارا ہی کام بن جاتا ہے جیسے بچے کو کوئی چور بدمعاش زیور اتارنے کے لیے لڈو پیڑے دکھا کر دور سے بلاوے تو وہ اپنی نادانی سے چلا جاتا ہے۔ پھر زیور بھی چھن جاتا ہے اور بسا اوقات جان بھی جاتی رہتی ہے۔ حق تعالیٰ نے اپنی

① یہ صفت ان کو چھو کر بھی نہیں گئی ② گناہگار مسافر ③ بقر عید کے دن روزہ رکھنے کو۔

رحمت سے ایسے ہی وقت کی تدبیر اس آیت میں بتادی کہ جب شیطان تمہارے پاس کو آوے اور معصیت کی طرف بلاوے تو اس کا نسخہ یہ ہے کہ تذکر① اختیار کرو اس کا یہ اثر ہوگا کہ بصیرت پیدا ہو جاوے گی اور اس کے دھوکے میں نہ آؤ گے۔ یہاں ایک دفع دخل② بھی کیے دیتا ہوں وہ یہ کہ آیت میں جو اس کے مقابلہ کے لیے یہ نسخہ بتا دیا ہے جس سے مفہوم ہوتا ہے کہ اس سے مقابلہ کے وقت نہ ڈریں تو اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ شیطان سے بے خوف ہو جانا چاہیے اور مقابلہ کے لیے تیار بھی نہ رہیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص کے پاس سانپ کی مجرب دوا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اب سانپ سے ڈرنا ہی نہ چاہیے بایں معنی کہ منہ میں ہاتھ دے دیا کریں خواہ مخواہ ایسی جگہ رہیں جہاں سانپ ہوں بلکہ اس کا حاصل یہی ہے کہ اگر کسی کو سانپ کاٹ لے تو دوا مجرب پاس ہے۔ علاج اطمینان سے اور بے حراس③ ہو کر کریں وہ دوا خطا نہ کرے گی اور خواہ مخواہ سانپ سے کٹوانا تو نہایت ہی بیوقوفی اور نادانی ہے۔ بعض سانپ ایسے زہر یلے ہوتے ہیں کہ انکے کاٹنے کے بعد دوا کے استعمال کا موقع بھی نہیں ملتا اور کام تمام ہو جاتا ہے۔ آج کل اس مذاق کے لوگ بھی موجود ہیں جو شیطان سے نہ ڈرنے کے معنی یہ لیتے ہیں کہ شیطان کے کاٹ لینے سے بھی ان کو ضرر نہیں پہنچتا، گناہ کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم کو کوئی نقصان نہیں ہوتا بعض وقت سالکین کو بھی یہ مغالطہ لگ جاتا ہے کہ کوئی کیفیت قلب میں پیدا ہوگئی اور کبھی نظر وغیرہ کا اتفاق ہو گیا اور اس کیفیت میں کوئی فرق نہ آیا تو سمجھتے ہیں کہ ہم ایسے کامل اور شیطان سے محفوظ ہو گئے ہیں کہ ایسے گناہ سے بھی کوئی ضرر نہیں پہنچتا ہے۔ یہ دھوکہ ہے گناہ اپنا اثر ضرور کرے گا اب نہ سہی ذرا دیر کے بعد سہی اور اس دھوکہ سے جرأت بڑھ جاتی ہے تو پھر بڑے بڑے گناہ بھی ہونے لگتے ہیں اور کام اندر ہی اندر تمام ہو جاتا ہے اور یہ اسی دھوکہ میں رہتے ہیں کہ شیطان ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا اور بعض گناہ ایسا اثر کر جاتا ہے جیسا بہت زہر یلے سانپ کا زہر کرتا ہے کہ دوا کے استعمال کی نوبت بھی نہیں آتی اور کام تمام ہو جاتا ہے۔ ایسے بہت سے واقعات ہوئے ہیں لہٰذا یہ سمجھنا تو غلطی ہے کہ شیطان سے بے خوف ہو جاویں بلکہ نسخہ کے مجرب

---

① یاد الٰہی میں مشغول ہو جاؤ ② اشکال دور کر دیتا ہوں ③ بے خوف ہو کر۔

ہونے کے یعنی ہیں کہ اگر اس سے کام لیا جاوے تو بیشک خطا نہ کرے گا تو اس کا مقتضا یہ ہوا کہ اس دوا کو ہر وقت پاس رکھنا چاہیے کہ خدا جانے کس وقت ضرورت ہو جائے اس صورت میں شیطان سے خوف بھی رہا۔ بایں معنی کہ اس سے احتیاط کی اور اس کو ہر وقت اپنی تاک میں سمجھا اور نسخہ پر اعتماد بھی ہوا کہ اس کو مجرب سمجھا تب تو پاس رکھا۔ یہ تو آیت کے ایک جزء کا بیان ہوا جس کا حاصل یہ ہے کہ گناہ ہوتا ہے نفس کے تقاضے سے اور تقاضا ہوتا ہے غفلت سے یعنی ان چیزوں کے غائب عن النظر ① ہونے سے جو اس تقاضے کو مغلوب کر سکیں اور اس غفلت کا علاج ان چیزوں کا استحضار و تذکر ہے ②۔

صحبت صالح

اس کے آگے دوسرا جزو آیت کا یہ ہے: ''وَاِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ ③ (وقت زیادہ ہو گیا ہے لہٰذا اس کو بطور خلاصہ بیان کرتا ہوں) سو سمجھنا چاہیے کہ گناہ کے متعلق ایک تو مانع تھا گناہ پر تنبہ ④ سے۔ اس مانع کے رفع کا بیان تو پہلی آیت میں تھا اور وہ مانع غفلت ہے اور ایک باعث ہوتا ہے معصیت پر جس کو داعی الی المعصیت ⑤ بھی کہہ سکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ علاج مکمل جب ہوگا کہ رفع موانع بھی کیا جاوے اور اس باعث و داعی سے بھی اجتناب ⑥ کیا جاوے۔ یہ مجموعہ شرط ہے نفع کی سو ہر کام کے پورا نہ ہونے میں جس طرح رفع موانع شرط ہے اس طرح اجتماع شرائط بھی ضروری ہے چونکہ یہاں حق تعالیٰ کو مقصود روکنا ہے گناہ سے اس واسطے باعث کا بھی انسداد فرمایا اور رفع موانع کی بھی تدبیر بتائی۔ اس انسداد کا خلاصہ صحبت بد سے بچنا ہے جس کا بیان ''وَاِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ'' میں ہے۔ یہ بلا صحبت بد کی آج کل بہت ہی عام ہے۔ صحبت نیک کا ملنا تو مشکل ہے اور بری صحبت ہر جگہ میسر ہے آج کل میں ایسی جماعتیں بہت ہیں اور بالقصد قائم کی جاتی ہیں جن میں دیندار کم اور دین سے آزاد زیادہ ہوتے ہیں۔ جیسے ایک زمانہ میں کانپور میں ایک جماعت تھی اس میں ایسے ہی قسم کے آدمی تھے اور اس جماعت

---

① نظر سے پوشیدہ ہونے کی وجہ سے ② ان علاجوں کو پیش نظر اور یاد رکھنا ہے ③ ''وہ جو شیطانوں کے بھائی ہیں شیطان انہیں گمراہی میں کھینچتے ہیں پھر وہ کمی نہیں کرتے'' ④ گناہ پر متنبہ ہونے سے رکاوٹ ⑤ گناہ کی طرف لے جانے والا ⑥ رکاوٹوں کو دور کرے اور گناہ کی طرف ابھارنے والی چیز سے بچے۔

کا نام ان لوگوں نے رکھا تھا اخوان الصفا① ۔ میں نے اس کا نام اخوان السفہاء② رکھا تھا ایسی جماعتوں سے نہ کچھ دنیا کا کام ہوتا ہے نہ دین کا۔ چنانچہ کچھ دنوں کے بعد وہ انجمن رہی نہ وہ اخوان رہے۔ ہاں چندوں سے جو دستر خوان حاصل کر لیے تھے شاید وہ بعضے گھروں میں رہ گئے ہوں تو آج کل مسلمانوں کو کوئی جمعیت قائم کرتے ہوئے اس کا خیال بالکل نہیں ہوتا کہ اہل جمعیت نیک ہوں جن کی صحبت سے دین کا اثر لوگوں میں پیدا ہو پس رواجی لیاقت پر نظر ہوتی ہے کہ بی اے پاس ہوں، ایم اے پاس ہوں، چاہے دین کے اندر بالکل فیل ہوں، جبھی تو آج کوئی کام انجام نہیں پاتا۔ یاد رکھو صحبت نیک جس طرح دین کے کامل کرنے کے لیے ضروری ہے دنیا کے کاموں میں بھی ضروری ہے۔

دوستی کا معیار

میں ایک بہت کام کی بات بتلاتا ہوں کہ جو کوئی اپنے دین کی اصلاح چاہے اس کو ایک کام یہ بھی کرنا چاہیے اور اس کے سخت اہتمام کی ضرورت ہے کہ اپنے ایسے ساتھیوں سے جو دیندار نہ ہوں صاف کہہ دے (مگر ان سے لڑے نہیں اور عداوت بھی نہ کرے اور ان کو بالکل ترک بھی نہ کرے کیونکہ یہ خلاف مروت ہے نرمی سے یوں کہہ دے) کہ صاف سن لیجئے ! ہم بن گئے ہیں قل اعوذ یئے اور ہم جس دھن میں ہیں اسی دھن میں رہیں گے۔

ما اگر قلاش وگر دیوانہ ایم مست آن ساقی و آں پیمانہ ایم③

اگر تم ایسے ہی بنو تب تو ہماری تمہاری دوستی ہے ورنہ دوستی آج سے قطع ہے۔ یوں معمولی تعلق رہے تو اور بات ہے۔ دنیا میں ہر شخص اپنی جنس سے ملتا ہے تو اس طریق میں آنے والوں کو کیا ضرورت ہے کہ دوسری وضع کے لوگوں سے میل جول رکھیں ۔ دوستی اور محبت سوائے اپنے ہم جنس کے کسی سے نہ چاہیے بلکہ اختلاط④ بھی نہیں چاہیے۔ یعنی بلاضرورت باقی کسی دینی یا دنیوی ضرورت سے اختلاط کا مضائقہ نہیں مثلاً کسی سے کچھ معاملہ کرنا ہے کسی سے بیع وشرا کرنا ہے تو ایسے اختلاط سے کوئی دوست نہیں بن سکتا بلکہ

---

① پاکیزہ بھائی ② بے وقوفوں کے بھائی ③ ’’ہم اگر قلاش اور دیوانہ ہیں تو کیا غم ہے یہی دولت کیا ہے کہ اس ساقی اور محبوب حقیقی اور اس کی شراب محبت سے مست ہیں‘‘ ④ زیادہ میل جول۔

اہل معاملہ ہیں اور کسی سے معاملہ کرنا اور معاملہ کی غرض سے اختلاط کرنا ناجائز نہیں، معاملہ تو کفار سے بھی کیا جاتا ہے اور ان سے بقدر ضرورت ملا بھی جاتا ہے۔ یہ صحبت بد میں داخل نہیں بشرطیکہ وہاں آنا جانا معاملہ کی ضرورت ہی تک محدود رہے۔ غرض میں تجارت یا نوکری کو منع نہیں کرتا ہاں ان کے مجموعوں میں بلاضرورت شامل ہونے کو اور تجارت اور نوکری کے علاوہ اختلاط رکھنے کو منع کرتا ہوں، مجمع میں انہیں کے داخل رہو جو تمہارے ہم جنس ہوں اور ناجنس مجموعوں کو یا تو اپنی طرح لو ورنہ الگ کرو اگر اپنی اصلاح منظور ہے تو صحبت بدل دو ورنہ اصلاح کا نام بدنام نہ کرو۔ میں نے پہلے بھی بہت دفعہ بیان کیا ہے کہ ایک ناقص العقل لڑکی کی معاشرت جو شادی سے پہلے ہو چکی ہے اس میں اور اس معاشرت میں جو بعد شادی کے ہوتی ہے بڑا فرق ہوتا ہے حالانکہ وہ لڑکی ہے اور ناسمجھ ہے اور ناقص العقل بھی ہے مگر کیسا مذاق صحیح رکھتی ہے اور یہ فطری مذاق ہے کہ شادی ہوتے ہی اپنی معاشرت سابقہ کو بالکل بدل دیتی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اب اس کو شوہر سے تعلق ہو گیا اب جو شوہر کا دوست ہے وہ اس کا بھی دوست ہے اور جو شوہر کا دشمن ہے وہ اس کا بھی دشمن ہے اس میں چاہے اس کا بھائی اور باپ ماں ہی کیوں نہ ہوں یہی حالت طالب خدا کی ہونی چاہیے اس کا تو مذہب یہ ہونا چاہیے کہ

یکے دان و یکے بین و یکے گوے ①

بس ایک سے تعلق رہے جس کو اس سے تعلق ہے اس کو بھی اس سے تعلق ہے اور جس کو اس سے تعلق نہیں وہ کوئی بھی ہو اس سے بھی اس کا تعلق نہیں۔

مصلحت سوزی

اور اس کا مذہب یہ ہے:

خلیل آسا در ملک یقیں زن　　صدائے لا احب الافلین زن ②

اور یہ کہ

---

① ''ایک ہی جانو، ایک ہی دیکھو اور ایک ہی کی باتیں کرو'' ② ''حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مانند عزم و یقین کی دنیا میں قدم رکھتے ہوئے نوائے لا احب الافلین یعنی میں ڈوبنے والوں کو پسند نہیں کرتا کہ صدا بلند کرو''

ہمہ شہر پر زخوباں منم و خیال ما ہے　　چہ کنم کہ چشم بدخونکند بہ کسی نگاہے ①

اور یہ کہ

دلارامے کہ داری دل درد بند　　دگر چشم از ہمہ عالم فروبند ②

اور یہ کہ

مصلحت دید من آنست کہ یاران ہمہ کار　　بگذارند و خم طرہ یارے گیرند ③

مصلحت کے لفظ میں یہ بھی لطیفہ ہے کہ آج کل پالیسی کا غلبہ ہے شاید کسی کو اس ترک صحبت سے خیال ہو کہ نقصان پہنچ جاوے گا۔اس واسطے مشاکلۃً لفظ مصلحت نہایت برمحل ہے کہ نہیں اس میں نقصان کا اندیشہ نہیں بلکہ مصلحت اسی میں ہے۔

مصلحت دید من آنست کہ یاران ہمہ کار　　بگذارند و خم طرہ پارے گیرند ④

اس سے کوئی پالیسی کا ثبوت نہ نکالے کیونکہ دوسرے ایک شعر میں جواب اس کا موجود ہے کہ یہ مصلحت نہیں بلکہ مصلحت سوزی ہے۔

رند عالم سوز راہا مصلحت بینی چہ کار　　کار ملک ست آنکہ تدبیر وتحمل بایدش ⑤

اور

ساقیا برخیزد دردو جام را　　خاک بر سر کن غم ایام را ⑥

اور آگے چل کر تو صاف ہی صاف کہہ دیا ہے۔

گرچہ بدنامی است نزد عاقلاں　　مانمے خواہیم ننگ و نام را ⑦

اس مضمون کو کسی نے اردو میں یوں کہا ہے۔

عاشق بدنام کو پروائے ننگ و نام کیا　　اور جو خودناکام ہو اس کو کسی سے کام کیا

---

① ’’سارا شہر حسینوں سے بھرا ہوا ہے اور میں ایک چاند کے خیال میں مست ہوں کیا کروں میں، کاش کہ بدخو کی نظر کسی پر نہ پڑتی‘‘ ② جس دل آرام یعنی محبوب سے تم نے دل لگا رکھا ہے تو پھر تمام دنیا سے آنکھیں بند کرلو‘‘ ③ ’’بڑی مصلحت یہ ہے کہ سب کو چھوڑ کر بس ایک کے ہولو‘‘ ④ ’’بڑی مصلحت یہ ہے کہ سب کو چھوڑ کر بس ایک کے ہولو‘‘ ⑤ ’’عاشق کو مصلحت بینی سے کیا تعلق اس کو تو محبوب حقیقی کا کام سمجھ کر تحمل و تدبیر چاہیے‘‘ ⑥ ’’ساقی دردو جام اٹھائے غم ایام پر خاک ڈالیے‘‘ ⑦ ’’اگرچہ یہ عقلمندوں کے نزدیک بدنامی ہے لیکن ہمیں بدنامی کے سوا اور کچھ نہیں چاہیے‘‘۔

مسلمان کا تو یہ مذہب ہونا چاہیے جب ایک دس برس کی لڑکی کا یہ مذہب ہو تو غیرت ہونا چاہیے پچاس برس کی عمر والے کو۔ افسوس اس نے شوہر کے لیے، کچھ کر کے دکھا دیا اور تم سے خدا کے لیے بھی نہیں ہوسکتا، نظیر غیرت دلانے والی موجود ہے۔ نظیر کا بڑا اثر ہوتا ہے۔

خلاصہ بیان

الحمد اللہ بیان ختم ہوا اور اس تمام بیان کا خلاصہ یہ ہوا کہ گناہوں کا علاج یہ ہے کہ پچھلے گناہوں سے توبہ کرو اور آگے کے لیے نفس کو روکو اور اس کے لیے تذکر کو اختیار کرو، تذکر کے معنی خدا کی یاد کے ہیں اور اس کی شرح میں نے پوری طرح کر دی ہے کہ خدا کی یاد سے کیا مراد ہے؟۔ دوزخ اور جنت اور حقوق الٰہیہ ان سب کی یاد خدا ہی کی یاد ہے اور صحبت بدلو۔ نیک صحبت اختیار کروا اور اہل اللہ کے کلام کی صحبت یہ بھی انہیں کی صحبت ہے اگر کسی کو بزرگوں کے پاس جانے کی ہمت یا فرصت نہ ہو وہ اس کے ملفوظات، حالات و تالیفات ہی کا مطالعہ کرے اور اگر کوئی زندہ بزرگ اس کا معتقد فیہ ہو اور اس سے ملاقات نہ ہو سکے تو کم از کم اس سے خط و کتابت ہی رکھے، اس میں بھی صحبت ہی کا اثر ہے۔

دریں زمانہ رفیقے کہ خالی از خلل است صراحی مئی آب و سفینہ غزلست ①

اور اگر کسی کو صحبت نیک میسر ہو جائے تو اس کو غنیمت سمجھے۔

مقام امن و مئے بےغش و رفیق شفیق گرت مدام میسر شودز ہے توفیق ②

اب توفیق کی دعاء اللہ تعالیٰ سے مانگو۔

خلاصہ وعظ بالفاظ حضرت مولانا مدظلہم العالیٰ

خلاصہ یہ ہے کہ پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے گناہ سے بچنے کا طریقہ فرمایا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ گناہ ہوتا ہے نفس کے تقاضے سے اور نفس کا تقاضا ہوتا ہے ایسی چیزوں کے غائب عن النظر ③ ہونے سے جو اس تقاضے کے اثر کو مغلوب کر سکیں جیسے خدا کی یاد، جنت کی

① ''جو زمانہ صحبت شیخ سے خالی ہو اس میں اس کے مکتوبات اور ملفوظات کے مطالعہ سے مستفید ہونا چاہیے''
② ''مامون مقام اور اللہ تعالیٰ کی محبت کی خالص شراب اور مشفق شیخ اگر تم کو ہمیشہ میسر ہو تو بڑی خوش نصیبی ہے'' ③ نظروں سے پوشیدہ ہونے سے۔

یاد، دوزخ کی یاد، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی اور ان کے حقوق کی یاد۔ پس ان چیزوں کا استحضار ① تقاضے کو مغلوب کر دے گا اور تقاضے کے مغلوب ہونے سے گناہ سے محفوظ رہے گا۔ تذکروا② کا حاصل یہی ہے اس واسطے اس پر فاذا ھم مبصرون③ کو مرتب فرمایا ہے اور دوسری آیت میں گناہ کے داعی کا انسداد ہے اور وہ داعی اخوان شر کی صحبت ہے۔ پس مجموعہ علاج یہ ہوا کہ تذکر ہو اور صحبت بد سے تحرز ہو۔ فقط انتہی بلفظ مولانا) (یہ خلاصہ لکھے جانے کے بعد حضرت مولانا کو سنا بھی دیا) وعظ کے بعد مصافحہ نہیں کیا۔ ایک شخص نے پیر پکڑے حضرت والا نے بھی اس کے پیر پکڑ لیے وہ بہت شرمندہ ہوا، فرمایا ذرا معلوم تو ہو کہ پیر پکڑنے سے دوسرے پر کیا اثر ہوتا ہے۔ اس وعظ میں شیعہ اور آریہ اور ہندو بھی تھے اور کہتے تھے کہ ہم کو یہ گمان نہ تھا کہ اتنا اچھا بیان ہوگا۔ جامع ۱۲

اشرف علی، شب ۲۱ شوال ۱۳۵۳

---

① ان چیزوں کو سوچنا ② قرآن میں موجود لفظ تذکروا کا مطلب یہی یاد خدا ہے ③اس سے ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں ④الحمد للہ ۱۱ رمضان المبارک ۱۴۴۵ھ کشب ہفتہ رات ڈھای بجے اس وعظ کے حاشیہ کی تکمیل ہوئی اللہ تعالیٰ قبول فرمائے لوگوں کے لیے مفید اور بندہ کے لیے ذخیرہ آخرت بنائے آمین۔

اخبار الجامعۃ

ماہ جون/ جولائی 2024ء

❁ یکم جولائی: ملک پاکستان کے کم عمر عالمی ایوارڈ یافتہ قاری محمد ابوبکر مانسہرہ سے اپنے استاذ مکرم اور والد محترم کے ساتھ جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ میں حاضر خدمت ہوئے اور جامعہ کے مہتمم شیخ القراء ڈاکٹر قاری احمد میاں تھانوی مدظلہ العالی سے مسابقات قرآنِ کریم ودینی وعصری تعلیم میں بہتری کے لیے مزید رہنمائی حاصل کی۔

اور جامعہ کے شعبہ تحفیظ القرآن کے کم عمر طلباء کو اپنی خوبصورت آواز میں بہترین تلاوت سنا کر تلاوتِ قرآن کا ذوق بیدار کیا۔

❁ 3 جولائی: پنجاب یونیورسٹی فرنچ ڈیپارٹمنٹ سے تشریف لائے ہوئے مہمان نے حضرت مہتمم صاحب (زید مجدہٗ) کا مختصر انٹرویو لیا جس میں پیدائش سے تا حال اپنی تعلیم وتدریس اور دیگر خدمات کا جائزہ پیش فرمایا۔

❁ 4 جولائی: عمان سے تشریف لائے ہوئے مہمان جناب اسماعیل آدم نے جامعہ ہٰذا کا دورہ کیا اور جامعہ کے نظام ونصابِ تعلیم جو مولانا مشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تعالیٰ سابقہ مہتمم اور ڈاکٹر قاری احمد میاں تھانوی مدظلہ العالی (مہتمم) کے باہمی اشتراک سے ترتیب دیا گیا۔

اس کو عملی صورت میں بحسن وخوبی جاری دیکھ کر اطمینان ومسرت کا اظہار فرمایا۔

تعلیمی کارکردگی

جامعہ دار العلوم الاسلامیہ ہائی سکول لاہور

جامعہ ہٰذا کے طلباء نے ابتدائی درسِ نظامی کے ساتھ ساتھ روایت حفصؒ کی تکمیل کرتے ہوئے وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے تحت اعلیٰ نمبروں میں کامیابی حاصل کی اور ساتھ ہی عصری تعلیم میں میٹرک بورڈ کے امتحان میں بھی نمایاں کامیابی حاصل کی جس کی سمری پیشِ خدمت ہے۔ یہ جامعہ کا منفرد نظامِ تعلیم ہے جس میں بیک وقت تینوں علوم، درسِ نظامی، تجوید وقراءات اور عصری تعلیم کا حسین امتزاج ہے۔

ان شاء اللہ العزیز یہ طلباء اپنے سابقہ فضلاء کی طرح مزید درسِ نظامی وقراءات عشرہ، ایم فل، پی ایچ ڈی اور اعلیٰ تعلیم کے حصول تک اپنا تعلیمی سفر جاری رکھیں گے۔

سمری رزلٹ میٹرک 2024ء

کل تعداد	82
امتحان میں شرکت کرنے والے طلباء	82
غیر حاضر	0
پاس	63
فرسٹ ڈویژن	30
سیکنڈ ڈویژن	33
ضمنی	19
رزلٹ فیصد	77%

فریاد

یا رب گناہ گار ہوں مجھ کو معاف کر
میں کر رہا ہوں عاقبت اپنی خراب تر
میں ہوں سیاہ کار غفورٌ رحیم تو
میں ہوں خطا شعار یقیناً کریم تو
بندوں میں تیرے سب سے یقیناً میں گندہ ہوں
میرے خدا میں کچھ بھی ہوں لیکن تو بندہ ہوں
مجھ کو ذلیل و خوار نہ فرما مرے کریم
یوں مبتلائے عار نہ فرما مرے کریم
رسوا نہ کر اسے جو ترے گھر پہ آگیا
امید عفو لے کے ترے در پہ آگیا
احساس ہے کہ میں ہوں پرا گندہ سر بسر
ہوں خلق کائنات میں سب سے خراب تر

(کلام: مولانا مشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)